قسط 3

بہت دشوار ہوتا ہے، زندگی سے لڑنا،
جب ہر رشتہ منہ موڑ لے،
ختہ کے سانس بھی آخری لمحوں میں دغابازی پر اتر آئے،
پھر بھی آپکو جینا پڑے، اپنے لیے نا سہی دوسروں کے لیے سہی،
بہت دشوار ہوتا ہے، زندگی سے لڑنا۔

سنسان سڑک ، خاموش ہوائیں، آس پاس بھونکتے جنگلی کتوں کی آوازیں ، وہاں دور دور تک کسی کی موجودگی کا احساس معلوم نہیں ہوتا تھا، وہیں اُس خاموش سڑک پہ وہ بے سدھ پڑا تھا، خون میں لت پت وجود ، سر کی پشت سے نکلتا خون زمین پر کافی حد تک پھیل چکا تھا، زخمی ہاتھ خون سے رنگا رنگ تھے، منہ پر جابجا تشدد کے نشانات تھے، اسکی دائی ٹانگ بھاری بھرکم ہاکی کے وار سے بری

طرح زخمی کی گئ تھی، اسنے اپنے زخمی ہاتھ بمشکل ہوا میں اٹھائے،اسے اپنا ہاتھ منہ تک لے جانے میں تکلیف ہورہی تھی ،اسنے دھیرے دھیرے اپنا ہاتھ اپنے چہرے پر لگے ماسک تک لے جانا چاہا۔۔

آہ۔۔۔درد کی ایک تیز لہر نے اسے کراہنے پر مجبور کردیا۔

بمشکل وہ اپنا ہاتھ چہرے تک لانے میں کامیاب ہوا بے حد آہستگی سے اسنے ماسک چہرے سے اتارا، اب کے اسکا چہرہ واضع تھا، چہرے پر جابجا چوٹوں کے نشانات تھے، اسکی نیلی آنکھیں دھندلائی ،اسکو اپنے اوپر موجود کالا آسمان دھندلا دکھائی دے رہا تھا، سر کی پشت پر لگی چوٹ نے شدد اختیار کرلی تھی، اسکا سر بری طرح چکرا رہا تھا، اسے لگ رہا تھا، اسکی کہانی ختم ہونے جارہی ہے، وہ مرنے جارہا ہے۔سب کچھ اسکے ساتھ ختم ہوجانا تھا، اسکا مشن، اسکی زندگی کی سب سے بڑی خواہش، اسکا دل اس سوچ پے بند ہونے لگتا وہ کراہ رہا تھا۔وہ چیخنا چلانا چاہتا تھا، لیکن آواز ساتھ نہیں دے رہی تھی، وہ مرنا نہیں چاہتا تھا، وہ جینا چاہتا تھا، اپنے لیے نا سہی، لیکن ان ہزاروں لڑکیوں کی عزت کے لیے، جن کی عزت خطرے میں تھی ،وہ انہیں بچانا چاہتا تھا۔

ٹرن ٹرن ٹرن ٹرن۔۔۔اسکی جیب میں رکھا فون بجنے لگا،

امید کی ایک کرن اسے دکھائی دینے لگی اسنے اپنے زخمی ہاتھ جینز کی پاکٹ کی جانب لے جانا چاہے،

”آہ۔۔“باڈی کی موومینٹ سے اسکے سر میں ٹیس اٹھی، اسنے پھر بھی اپنی کوشش جاری رکھی، بمشکل کراہتے ، دُکھتے سر ، اور زخمی جسم کے ساتھ وہ اپنا موبائل نکالنے میں کامیاب ہوگیا، موبائل کی روشنی میں اسکا چہرہ واضع ہوا ، اسنے دھندلاتی آنکھوں سے کال یس کی اور اِسپیکر پر ڈالنا چاہا ہی تھا کے اسکا

موبائل فون اسکے ہاتھ سے چھوٹ گیا، لیکن اسکے ہاتھ لگنے سے فون اسپکیر پہ ڈل چکا تھا، اسنے اٹھنا چاہا لیکن اٹھا نہیں گیا اسنے کراہ کر اپنا سر واپس زمین پر ٹکا لیا۔۔

"کہاں ہے تو ؟میں کب سے تجھے کال کر رہا تھا ، فون کیوں نہیں اٹھا رہا تھا؟"۔۔اسپیکر سے پریشان زاویار احمد کی آواز ہادی ابراھیم کے کانوں میں گونجی۔۔

"ہادی؟"زاویار نے اسے پھر سے پکارا۔

"زا۔زاویار" اسنے بمشکل کراہتے ہوئے بس اتنا ہی کہا اور اسپیکر کے پار اپنے اپارٹمنت میں موجود زاویار احمد کو حقیقتاً اپنے پیروں میں سے اپنی جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"وہ تکلیف میں ہے، اسکا یار تکلیف میں ہے، اسکا ہادی تکلیف میں ہے، اسکے دل نے آواز دی ،اسکا دل کسی نے مٹھی میں جھکڑ لیا تھا"۔

"میں دس منٹ میں پہنچ رہا ہوں، ہادی ابراھیم، بس دس منٹ میں، اپنا فون بند مت ہونے دینا"۔

وہ بھاگا تھا اسنے جلدی سے اپنی گاڑی کی کیز اٹھائی، اور ہادی کے کمرے میں موجود اسکے الماری سے اسکا لوکیشن ٹریسر اٹھاتا گاڑی کی جانب بھاگا۔

اسے یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی کہ تجھے کیا ہوا ہے؟ کہاں ہے تو؟ وہ اسکا دوست تھا ، جگری دوست، جو اسکا ہمراز تھا۔

"اسکے ہر راز سے واقف اگر کوئی تھا تو وہ زاویار احمد تھا۔۔"وہ کیسے نا اپنے دوست کی آواز میں تکلیف پہچانتا وہ کیسے نا پہچانتا کہ اس وقت اسکا دوست اسکا ہادی تکلیف میں ہے، اس وقت کئ لوگوں کا ھیلر زخمی ہے۔۔وہ سب کچھ ہنسی میں اڑانے والا ہادی ابراھیم زخمی تھا، وہ جو اپنے اندر کئ راز دفن کیے ہوئے تھا، وہ جو خود سے پہلے دوسروں کا خیال رکھتا تھا، وہ جو کسی کے لیے احمق ، تو کسی کے لیے انسپائریشن تھا، وہ جو کسی کا جگری یار تھا، وہ جو اکثر کسی کو ڈانٹ پڑھنے سے بچا لیا کرتا تھا، وہ جو کسی شیرنی کا محافظ ثابت ہوا تھا، وہ جو سب کا ھیلر تھا، وہ زخمی تھا۔

****

ٹھیک دس منٹ بعد زاویار اس جگہ پے موجود تھا، اسنے جلدی سے گاڑی سڑک کنارے لگائی ، اور کسی بھی چیز کی پرواہ کیے بغیر وہ زمین پر بے سدھ پڑے ہادی کی طرف اندھا دندھ بھاگا تھا، اسکے پاس بیٹھتے ، اسکا سر آہستگی سے اپنی گود میں رکھے ، وہ اسے پکارنے لگا۔

"ہادی ! اٹھ دیکھ مجھے دیر نہیں ہوئی ، میں پورے دس منٹ میں تیرے پاس موجود ہوں آنکھیں کھول یار"۔

وہ اسکا زخمی سر اپنے ہاتھ سے تھپتھاتے ہوئے پریشانی سے پکار رہا تھا۔۔

اسنے دھیرے سے آنکھیں کھولیں اور اپنے پاس ہمیشہ کی طرح زاویار کو پاتے اسکے چہرے پہ زخمی مسکراہٹ ابھری۔

"ز۔۔اوی م۔میں بہت تھک گیا ہوں۔۔"وہ دکھتے سر کے ساتھ بے حد تھکی ہوئی آواز میں دھیرے سے بولا۔

"ہادی ابراھیم تھک سکتا ہے ، ٹوٹ سکتا ہے،لیکن ! "وہ رکا پھر پیار سے ہادی کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"ھیلر کبھی نہیں تھک سکتا، وہ کبھی ہار نہیں مان سکتا۔"وہ اسکی چوٹوں کا معائنہ کرنے لگا۔۔۔

"ہا۔۔ہادی ابراھیم بہت تھک چکا ہے زاوی ، ل۔لیکن ، درد کے مارے وہ بمشکل بول پارہا تھا۔

" ھیلر زخمی ہے ، اور۔۔جانتا ہے زاوی زخمی شیر کسی خطرے سے کم نہیں ہوتا" اسکا لہجہ مستحکم تھا۔

"جانتا ہوں ھیلر کو کسی کی ضرورت نہیں ، لیکن ! اس وقت ہادی ابراھیم کو میری ضرورت ہے، چل اٹھ چلیں ! اسنے اسے سہارا دینے کے لیے اپنا دایاں ہاتھ اسکی جانب بڑھایا۔

"ھیلر کو زاویار احمد کی ضرورت ہو نہ ہو ، لیکن ہادی ابراھیم زاویار احمد کے بغیر صفر ہے، تم میری زندگی میں ایک واحد پھول بچے ہو، باقی سب پھول آہستہ آہستہ میرے ہاتھوں میں ہی مرجھا گئے ہیں

،اب صرف میرے ہاتھ میں ایک پھول بچا ہے ، اور ایک کھوئے ہوئے پھول کی تلاش باقی ہے،ناجانے وہ تلاش پوری ہوگی بھی یا نہیں"۔

ویران لہجہ ، اداس ہیزل براؤن آنکھیں جن پر اس وقت نیلے کلر کے لینس لگے ہوئے تھے، وہ اپنی طرف اسکے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھتا زخمی لہجے میں بول رہا تھا، (وہ اپنے دل میں کھلتے نئے پھول سے یکسر انجان تھا)۔
چند سیکنڈ دونوں اطراف گہری خاموشی چھائی رہی۔۔۔

"جہاں امید ہو وہاں مایوسی کی باتیں نہیں ہوا کرتیں ہادی ابراھیم"۔وہ اپنا دایاں ہاتھ ہنوز اسکے سامنے رکھے نرمی سے بولا۔۔
وہ اسکی بات پر سرہلاتا ، اپنا خون آلود ہاتھ اسکے ہاتھ پر رکھتے ، کھڑے ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن اس میں کھڑے ہونے کی ہمت تک نا تھی۔زاویار نے اسے دونوں کندھوں سے تھام کر کھڑا کیا ، اور سہارا دیتے بمشکل گاڑی میں بٹھایا، اسے بٹھاتے وہ فوراً ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا۔۔۔
دس منٹ کی تیز رفتاری کے ساتھ وہ اپنے اپارٹمنٹ میں موجود تھے۔

****

وہ تو اُنہیں وہیں چھوڑ کے چلا گیا تھا، ایک بار بھی پیچھے مُڑ کے نہیں دیکھا ، انکے پاس ایک وہی تو تھا، انکا ھیلر وہ بھی چلا گیا؟۔ایک آخری رشتہ بھی چھن گیا؟۔حویلی سے نکلتی وہ سڑک کنارے چل رہی

تھیں۔اداس آنکھیں ، خالی ہاتھ ، خیالوں کی دنیا میں کھوئی کھوئی سی ،وہ بہت اداس معلوم ہو رہی تھیں۔، لوکل بس کرواکے وہ واپس اپنے بیسمنٹ پہنچی تھی۔

ہر طرف اندھیرا ہوچکا تھا، انکے اندر تک اندھیرا پھیل رہا تھا۔

کتنی آسانی سے کہہ گیا تھا وہ۔

"کبھی زندگی میں مجھے دوبارہ مت دِکھیے گا مس ایل۔"

اسکی ملامت کرتی آنکھیں مس ایل کی آنکھوں کے سامنے گھومیں۔

وہ صبح والے حُلیے میں موجود تھیں ، دونوں ٹانگوں کو سینے سے لگائے ، وہ اس میں اپنا منہ دیے بیٹھی تھیں۔اسکی آواز انکے کانوں میں صور پھونک رہی تھی، اُنہیں تکلیف پہنچا رہی تھی۔

"آپ کا اور میرا سفر یہی تک تھا ، آج کے بعد میں آپ کے لیے مرچکا ہوں"۔ایک اور فقرہ انکے کانوں میں گونجا۔

ایک آنسو انکی آنکھ سے گر کے بے مول ہوا۔

"نہیں۔ہمارا سفر یہاں ختم نہیں ہوتا، ھیلر " اپنے گھٹنوں میں سر دیے وہ بھرائی ہوئی آواز میں بڑبڑائی۔

"آپ نے میرا یقین توڑا ہے"۔

نہیں نہیں میں نے تمہارا یقین نہیں توڑا۔

"مجھے دھوکہ دیا ہے"۔

میں تمہیں دھوکہ نہیں دے سکتی ، کبھی نہیں، میں بس تمہیں تکلیف سے بچانا چاہتی تھی ، وہ اسے یاد کرتی سسک رہیں تھیں۔

"میرے دل میں دھوکے بازوں کی کوئی گنجائش نہیں".

"میں دھوکے باز نہیں ہوں، نہیں ہوں میں دھوکے باز ، میں تماری بوڑھی خاتون ہوں ، اولڈ لیڈی ، جس کا تمہارے سوا کوئی رشتہ نہیں ہے"۔اپنے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھے وہ اسکی آواز کو دباتے ہوئے تکلیف سے چیخیں۔انہیں وہ یاد آرہا تھا، بہت یاد آرہا تھا، وہ اسکی باتوں کی، طنز کی ، آواز کی ،عادی ہوچکی تھیں۔

"مجھے کسی کی بھی ضرورت نہیں تم سے پہلے میں اس تک پہنچ جاوں گا ، بنا کسی مدد اور بنا کسی کمپیوٹر ماسٹر مائینڈ کے"۔

گھٹنوں سے چہرہ اٹھا کے انہوں نے بے دردی سے اپنے ہاتھوں کی پشت سے اپنے آنسو صاف کیے،خود کو کمپوز کرتیں وہ آئینے کے سامنے آئیں پھر خود کو آئینے میں دیکھتی دھیرے سے مسکرائیں۔

"تمہارا غصہ وقتی ہے ھیلر ، تم سب کو چھوڑ سکتے ہو ، پر اپنی بوڑھی عورت کو نہیں، تمہارے قواعد و ضبط دوسروں کے لیے مختلف ہیں، لیکن اپنوں کے لیے تم وہی ہادی ابراھیم ہو۔۔۔"بہت عرصے بعد انہوں نے اسکو اسکے اصل نام سے یاد کیا تھا۔۔۔پھر مسکرائیں تھیں اسکی اور اپنی پہلی ملاقات کے خیال سے۔۔۔کبھی وقت ملا تو وہ اس یاد کو اسکے ساتھ مل کے تازہ کریں گیں۔فلحال اُنہیں خود کو ٹوٹنے نہیں دینا تھا۔وہ جانتی تھیں وہ آئے گا ، اور وہ یہ بھی جانتی تھیں وہ کہاں آئے گا ، اور انکی

ملاقات اب کیسے ہوگی۔جو بھی تھا ھیلر کو مس ایل ، اور مس ایل کو ھیلر سے صرف ایک چیز جوڑے رکھتی تھی ، وہ تھا انکا ایک ہی مقصد پہ کام کرنا۔۔

****

زاویار نے اسے اپارٹمینٹ میں ہی فرسٹ ایڈ فراہم کردی تھی، اسکے چہرے پر کافی گہرے زخم کے نشانات تھے، سر کی چوٹ کا تفصیلی معائنہ کرنے کے بعد ، اسنے اسکے سر کی فوری طور پر پٹی کی ، اور اسے پانی کے ساتھ چند پین کلرز زبردستی کھلوائی ، پھر اسے فریش ہونے میں مدد دی ، اسکے چہرے پر لگے زخموں کو صاف کیا، اور ان پہ نرمی سے مرہم رکھتے وہ اسے آرام کرنے کی تلقین کرنے لگا۔

"کسی بھی چیز کی ضرورت ہو مجھے آواز دے دینا ، خود پنے خان بننے کی ضرورت نہیں"۔وہ اسے سختی سے تنبیہ کرتے ہوئے بولا۔

اسنے اثبات میں سرہلادیا۔

"زاوی"۔وہ مڑنے لگا تھا جب ہادی نے اسے آواز دی۔

وہ سرعت سے واپس مڑا۔

"کیا ہوا؟ تم ٹھیک ہو؟ درد تو نہیں ہورہا؟ وہ پریشانی سے ایک ہی سانس میں سوالات کرگیا۔

ہوں ! میں بلکل ٹھیک ہوں، پریشان مت ہو، بس مجھے ایک چھوٹا سا کام تھا۔

وہ بیڈ کی پشت سے سرٹکائے آنکھیں موندھے بول رہا تھا۔

کیسا کام؟

کیا تم مجھے میرا باکس لا کے دے سکتے ہو؟ اسنے دھیرے سے آنکھیں کھول کر زاویار کی جانب دیکھا۔
اس وقت اسکی آنکھوں میں کیا کچھ نہیں تھا۔ دکھ، درد، ملال۔
اسنے ایک گہری نظر ہادی ابراھیم پر ڈالی، پھر اثبات میں سرہلاتا وہ بنا ایک بھی لفظ کہے کمرے سے باہر نکل گیا۔
چند سیکنڈ بعد وہ دوبارہ کمرے میں داخل ہوا، اس بار اسکے ہاتھ میں لکڑی کا چھوٹا سا باکس تھا۔ اسنے وہ خاموشی سے ہادی کی گودھ میں رکھ دیا۔
ہادی اپنی گودھ میں اس باکس کو دیکھتے آسودگی سے مسکرایا تھا۔
"اگر اس وقت میں اٹھنے کے قابل ہوتا تو بخدا زاویار احمد میں تمہیں زور سے گلے لگا کے تمہارا شکریہ ادا کرتا۔"
باہر جاتے زاویار کے قدم رُکے تھے، ایک دلکش مسکراہٹ نے اسکے لبوں کا احاطہ کیا، اسکا یہ دوست لاکھوں میں ایک تھا، انمول تھا، اسے کھونے کا وہ سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔
"دوستوں کا شکریہ ادا نہیں کیا جاتا، ان پہ حق جمایا جاتا ہے۔"وہ بنا مُڑے بولا۔
"راجر باس ! اب سے میری ساری زمہداریاں تمہاری"۔ اسکا لہجہ پل میں شرارتی ہوا تھا۔
زاویار نے مُڑ کے اسے گھورا۔
" دوستوں پہ حق جمایا جاتا ہے۔"وہ شرارتاً اسے چھیڑتے ہوئے بولا۔
"آہ۔ کاش وہ تیری زبان پر بھی ایک دو ڈنڈا جھڑ دیتے، وہ مزے سے اسے کڑاڑا جواب دیتا کمرے سے نکل گیا۔

پیچھے وہ سر جھٹک کے رہ گیا۔چہرے سے مصنوعی مسکراہٹ غائب ہوئی، مسکراہٹ کی جگہ ملال نے لے لی، آنکھوں میں گہرا کرب سمٹ آیا،اسنے ہولے سے لکڑی کے باکس پر اپنے ہاتھ پھیرے، پھر آہستگی سے اسے کھولا، باکس میں چند تصاویر ، کسی لڑکی کے ہئیر بینڈز ، اور ایک گھڑی رکھی گئ تھی، اسنے ہولے سے ایک تصویر اٹھائی ، تصویر میں موجود وہ سانولی رنگت ، پر کشش نین و نقوش والی لڑکی مسکرا رہی تھی ، اسکے نین نقوش ہادی سے بہت ملتے تھے ، وہ دونوں ایک دوسرے کا پر تو تھے، بس رنگت کا فرق تھا۔اسنے تھکن سے اس تصویر کو اپنی آنکھوں کے ساتھ لگایا، جیسے اسے محسوس کرنا چاہ رہا ہو

۔

"کہاں ہو گڑیا"۔وہ ہولے سے بڑبڑایا۔

پھر تصویر آنکھوں سے ہٹا کے اپنے سامنے کی۔

"اتنے سال گزر گئے گڑیا ، تمہارا بھائی تمہیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے اب تھکنے لگا ہے"۔اسنے رُک کر ایک تھکن زدہ سانس خارج کی۔
" تم وہ واحد تلاش ہو جسے پوری کرنے کے لیے میں ہر حد تک گزر سکتا ہوں"۔اتنے سال اتنے سال میں مجھے تمہارا کوئی سوراغ نہیں ملا ، پھر بھی میں جانتا ہوں تم زندہ ہو ، تم ٹھیک ہو ، میرا دل گواہی

دیتا ہے ، تم جہاں کہی بھی ہو ٹھیک ہو ، تم ٹھیک ہو تبھی تو میرا دل دھڑک رہا ہے۔وہ رکا۔ہاتھ میں موجود تصویر واپس باکس میں رکھی ،ایک ہیر بینڈ اپنے ہاتھ میں اٹھائی۔

"تمہارے ہادی بھیا اپنی گڑیا کو ڈھونڈ نہیں سکے، لیکن ھیلر انوشے ابراھیم کو ڈھونڈ لے گا"۔وہ ایک عزم سے کہنے لگا ،اچانک اسکی نظر باکس میں موجود ایک قیمتی گھڑی پر پڑی ، اسنے کرب سے آنکھیں موندھی ، معاضی کی یادیں اسکے زہن کے پردوں پر لہرانے لگیں۔

چند سال پہلے :

وہ رات ابراھیم مینشن پے ڈھیڑوں مسکراہٹیں لیے اتری تھی، ہر سو گہری خاموشی کا راج تھا۔ایسے میں ایک نفوس خفگی سے بڑبڑاتا اپنے کمرے میں دائیں سے بائیں چکر کاٹ رہا تھا، آج اسکی برتھ ڈے تھی، اور کسی نے اسے وش تک نہیں کیا تھا، بارہ بج کے پندرہ منٹ ہوچکے تھے ، اور اب تک کوئی بھی اسے وش کرنے نہیں آیا ، گھر والے تو گھر والے اسے زاویار سے اس قسم کی حماقت کی امید نہ تھی، اسے ٹائم پر وش نہ کرنا ایک قسم کی بہت بڑی حماقت تھی، اس کے نزدیک۔۔

ہمیں تو اپنوں نے لوٹا ،

غیروں میں کہاں دم تھا۔

بے حد افسردگی سے کہتا وہ بیڈ کے کنارے سر تھامے بیٹھ گیا، اسکے لیے یہ صدمہ بہت گہرا تھا۔

"ایک ہی تو بیٹا ہوں میں اِنکا، وہ بھی اِن پر بوجھ ہوں ، جن ماں باپ کا ایک بیٹا ہو وہ اسے سر آنکھوں ،پلکھوں پے بٹھا کر رکھتے ہیں، جس بہن کا ایک اکلوتا بھائی ہو، وہ بہن بھائی کے لاڈ اُٹھا اُٹھا نہیں تھکتی ، جس دوست کا مجھ جیسا یار ہو وہ اسکے لیے جان تک قربان کرنے کو تیار ہوتا ہے"۔سر ہاتھوں میں دیے وہ خود سے ہی اپنا غم بانٹ رہا تھا۔

"اللہ یہاں تو مجھ جیسے ہیرے کی کسی کو قدر ہی نہیں"۔انتہائی افسوس سے کہتا وہ بوجھل دل کے ساتھ سونے کے لیے لیٹ گیا۔

دس منٹ کے بعد اسکے کمرے کا دروازہ زور سے پیٹا گیا، وہ جو ابھی ابھی غم کے مارے نیند کی آغوش میں گیا تھا، ایک دم ہڑبڑا کے اٹھا ، دروازہ ہنوز اسی طرح زور زور سے پیٹا جارہا تھا۔
"کیا مصیبت ہے اب کوئی چین سے سونے بھی نہیں دے گا کیا؟ "وہ خفگی سے بولتا، وہ بیڈ سے نیچے اترا، جلدی سے پیروں میں سلیپرز گھسیٹرے، اور دروازہ کھولا، جیسے ہی اسنے دروازہ کھولا ایک دم سے فضا میں پارٹی پیک پھٹنے کے ساتھ ساتھ کئ آوازیں اسکے کانوں سے ٹکرائیں ، انوشے اپنے دونوں ہاتھوں میں کیک پکڑے سب سے آگے کھڑی تھی، اسکے پیچھے زاویار ہاتھ میں اسپرے پکڑے کھڑا تھا، اور اسکے ساتھ مسٹر اور مسز ابراھیم کھڑے تھے، وہ لب وا کیے انہیں دیکھے گیا، جو مسکراتی آنکھوں سے اسے دیکھتے ، اسے وش کررہے تھے۔

! Happy birthay to you , happy birthday to hadi , happy birthday to you

اسنے مسکرا کے انہیں اندر آنے کا راستہ دیا۔

ہیپی برتھ ڈے ہادی بھیا، انوشے تھوڑا سا اوپر اچکتی ہادی کی کشادہ پیشانی پر بوسہ دیتی اسکے روم میں گھسی۔

ہادی نے گھور کے اسے دیکھا، اسے انوش کی اس حرکت سے بہت چڑ تھی۔

زاویار نے زور سے خود میں بھینچ کے وش کیا، اور ساتھ ہی ہاتھ میں پکڑے اسپرے سے اسکا چہرہ بگاڑ دیا۔

"ہیپی برتھ ڈے میرے جگر"- اسکی حالت سے محظوظ ہوتے وہ مسکرا کے بولا۔

"اگر تجھے واقعی لگتا ہے کہ میں تیری خاطر اپنی جان تک قربان کر سکتا ہوں ، تو میرے یار تو غلطی پہ ہے ،میں اپنی اتنی قیمتی جان تجھ پہ کیوں کر قربان کروں گا"۔وہ زاویار احمد تھا وہ یہ تک جانتا تھا کہ اسکا دوست اس سے پہلے کیا کچھ سوچتا رہا ہو گا۔

پیچھے ہٹ مجھ سے بات نہ کر۔ہادی نے کسی روٹھی ہوئی محبوبہ کی طرح اسے دور کیا۔

زاویار مسکرا کے اسکا پھولا ہوا منہ دیکھتے اندر کی جانب بڑھا۔

"جنم دن مبارک میرے بیٹے" مسز ابراھیم نے پیار سے اسکا چہرہ دونوں ہاتھوں سے تھام کر اسکی کشادہ پیشانی پے بوسہ دیا۔

"میرا پیارا بیٹا" وہ اسے خود سے لگاتے ہوئے بولیں۔

"مام اس گھر میں صرف آپ ہیں جو مجھ سے خالص محبت کرتی ہیں"۔وہ لاڈ سے انکے گلے لگتے ہوئے بولا۔

"کیوں بیٹا جی، ہماری محبت میں کونسی ملاوٹ دیکھ لی آپ نے جو بس آپکو اپنی ماں ہی نظر آرہی ہیں "۔ابراھیم نے گھور کے اپنے بیٹے سے استفسار کیا۔

وہ خوبخو ہادی کی طرح تھے ، ایک دوسرے کے پرتو ، ہادی کی خوبصورت ہیزل براؤن آنکھیں انہی پر تھیں ، انکی آنکھوں کا رنگ بھی وہی تھا ، جو ہادی کی آنکھوں کا تھا، خوبصورت آنکھوں کی طرح دل بھی انکا بے حد حسین تھا ، نرم مزاج کے حامل ایک شفیق باپ۔

"ارے ڈیڈ آپ تو میرے آئیڈیل ہیں"۔پل میں پینتھڑا بدلا تھا "ہادی ابراھیم " نے اور ماں سے دور ہٹتے وہ باپ کے گلے لگا۔

انھوں نے مسکرا کے اسے خود میں بھینچا۔

"زاوی بھیا، کتنے ڈرامے باز ہیں نہ ہادی بھیا" انوش ٹیبل پر کیک رکھے زاویار کی طرف جھک کے بولی۔

"صرف ڈرامے باز نہیں گڑیا، تمہارا ہادی بھائی ایک نمبر کا گھٹیا آدمی ہے، کام کے وقت تو وہ گدھے کو بھی باپ بنالیتا ہے"۔زاویار نے بھرے اطمینان سے کھڑے ہوتے اپنے جگر کے بارے میں اپنے خیالات واضح کیے۔

"زاوی بھیا" انوش نے خفگی سے زاویار کو پکارا
زاوایار نے ہڑبڑا کے اسکے چہرے کے بدلتے رنگوں کو دیکھا۔

"کیا ہوا گڑیا" اسنے پریشانی سے اس چھوٹی سی آفت کو دیکھا۔

"آپ نے میرے بھائی کو گھٹیا بولا" وہ خفگی سے بولی۔

"کس نے کس کو گھٹیا بولا" ہادی ان دونوں کے قریب آتے مشکوک نظروں سے انہیں گھورتے ہوئے بولا۔

"زاویار بھیا نے آپکو" وہ معصومیت سے آنکھیں ٹپٹپاتے ہوئے بولی۔

زاویار نے تیز نظروں سے انوش کو گھورا۔

وہ کیسے بھول گیا تھا ، وہ بہن ہادی کی ہی تھی، اسی کی طرح پل میں رنگ بدل لینا جانتی تھی۔

ہادی نے تیز نظروں سے زاویار کو گھورا۔جو خجل ہوتے سر کھجا رہا تھا۔

مسٹر اور مسز ابراھیم مسکرا کے انکی نوک جھونک دیکھ رہے تھے۔

"آہ کیک کاٹتے ہیں ناں " زاویار نے جلدی سے اسکی توجہ کیک کے جانب کرنا چاہی۔

ان سب نے مسکرا کے ہادی کو دیکھا جو کیک کٹ کرنے کے بعد ہاتھ میں کیک کا ٹکڑا پکڑے محبت سے سب کو کھلا رہا تھا، کچھ دیر پہلے قائم کی گئ بات کو وہ رد کرتا ، دل میں خود سے مخاطب ہوا۔

" شیطان بھی نہ پتا نہیں دل سے کیا کیا بلوا دیتا ہے ، یہ سب تو میری اتنی قدر کرتے ہیں " ہادی ابراھیم اور اسکی فلاسفی۔

"ہادی بھیا اپنی کلائی آگے کھڑے" اسکے بلکل روبرو آتے انوشے نے اسے کہا۔

"کیوں بھئ میری نس وس تو نہیں کاٹنے کا ارادہ " اسنے گھور کے اپنی چھوٹی بہن کو دیکھا، جس میں ہادی ابراھیم کی جان بستی تھی۔

"دیکھیں نا ڈیڈ بھائی کو" انوشے نے ابراھیم کی جانب شکایتی نگاہوں سے دیکھا۔

"ہاں دیکھیں نا ڈیڈ میں کتنا ہینڈسم ہوں"۔اسنے اسے مزید تنگ کرنا چاہا۔

"ہادی" ابراھیم نے اسے مصنوئی غصے سے گھورا۔
زاویار نے تاسف سے ہادی کی اداکاری دیکھی، اور نفی میں سرہلایا ، یہ کبھی نہیں سدھر سکتا۔

"اوکے اوکے"۔اسنے جلدی سے کلائی انوشے کی طرف بڑھائی ،مبادہ وہ ناراض ہی نہ ہو جائے۔

انوشے نے محبت سے اپنے بھائی کو دیکھا، پھر ایک ڈبی کو پکڑے اس میں سے بیش قیمتی ایپل واچ نکالی، اور مسکرا کے بہت پیار سے ہادی کی کلائی پر باندھ دی۔

You are the best brother in this whole world & Anushy loves you so much "

"bhaiya

محبت سے کہتی وہ ہادی کے گلے لگی تھی ،اسنے بھی مسکرا کے اپنی بہن کو محبت سے گلے لگایا۔
اسے اظہار کرنے کی ضرورت نہیں تھی ، وہ اپنے ہر عمل سے بتادیا کرتا تھا کہ اسکی گڑیا اسکے لیے کتنی اہمیت رکھتی ہے۔لیکن وہ ایک معاملے میں لاپرواہ تھا ، حد سے زیادہ۔۔
"دنیا کا بہترین تحفہ تو میرے لیے میری بہن ہے" ہادی ابراھیم کے دل کا ٹکڑا ہے انوشے ابراھیم۔ مسکرا کے ہولے سے کہا ،یہ خوشیاں بانٹنے کی رات تھی ، اور وہ سب ایک چھت تلے اکھٹے ہوئے ایک دوسرے سے خوشیاں بانٹ رہے تھے۔

تھوری دیر بعد زاویار اسکی آنکھوں پر ہاتھ رکھے اسے باہر لایا ، جہاں جدید ماڈل کی بلیک ہیوی بائیک کھڑی تھی۔۔

ہادی ساکت نظروں سے کھڑا اس ہیوی بائیک کو دیکھ رہا تھا، اور پھر خوشی سے چلا کر وہ زاویار کے گلے لگا ، بائیکس اسکا جنون تھیں ،اور زاویار نے اسے اسکی پسند کے مطابق تحفہ دیا تھا، اور اصل دنگ تو وہ تب ہوا جب براھیم نے بلیک ہلکس سے کور اٹھایا، اسکا باپ بھی اسکی پسند نہیں بھولا تھا، وہ خوشی سے تر چہرہ لیے زور سے انکے گلے لگا، پھر اسی طرح وہ زاوی کے گلے لگا۔

ہادی ابراھیم سب سے خوشیاں سمیٹنے والوں میں سے تھا، اسکے اپنے اس سے بے پناہ محبت کرتے تھے، وہ اپنی قسمت پر رشک کیا کرتا تھا۔اور انکی قدر بھی بہت کرتا تھا۔

حال میں موجود ہادی ابراھیم آسودگی سے اس گھڑی کو دیکھ رہا تھا، اب ہادی ابراھیم کو اپنی قسمت پر رشک نہیں محسوس ہوتا تھا، اب تو وہ خود کو محبت کے قابل بھی نہیں سمجھتا تھا، اسکے بہت اپنے اس سے بچھڑ گئے تھے، ایک کرب ناک یاد اسکے زہن کے پردوں پر لہرانے لگی۔اس یاد میں اسکے اپنے اس سے روٹھ گئے تھے ، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ ایک کرب ناک دن کا آغاز تھا، اندر ناشتے کی ٹیبل پے بیٹھے لوگ آنے والے وقت سے بے خبر ناشتہ کرنے میں مصروف تھے، ابراھیم سربراہی کرسی پے بیٹھے ناشتہ تناول فرمارہے تھے، ان کے دائیں جانب مسز ابراھیم بریڈ پے جیم لگاتی انوشے کی طرف بڑھا رہی تھیں، انوشے انکے ہاتھ سے ٹوسٹ پکڑے رغبت سے کھانے لگی، یہ ان دنوں کی بات ہے جب وہ کالج جایا کرتی تھی، اس وقت وہ اپنے کالج یونی فارم میں موجود، بالوں کی فرینچ چوٹی بنائے ہوئے تھی ، کھلی کھلی گندمی رنگت ، اور پرکشش نین نقوش اسے دلکش بناتے تھے، اسکے چہرے کی معصومیت سب کی توجہ کھینچنے کا باعث بنتی تھی، لیکن کون جانے انیس سال کی اس معصوم لڑکی کی معصومیت آج درندوں کے بھینٹ چڑھنے والی تھی، آج کے بعد اسکی معصومیت اس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھن جانے والی تھی۔

ناشتہ کرتے کرتے اس نے وال کلاک پے نظر دوڑائی ، جہاں اسکے کالج کو لگنے میں صرف دس منٹ رہ چکے تھے، اس نے غصے سے ڈیڈ کی جانب دیکھا۔

"ڈیڈ ہادی بھیا کی وجہ سے روزانہ مجھے پنشمینٹ میں کھڑا ہونا پڑھتا ہے، دیکھے صرف دس منٹ رہ گئے ہیں اور انکی نیند ہے کے پوری ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی ، وہ ہمیشہ مجھے بھول جاتے ہیں ، نہ وقت پہ لینے آتے ہیں نہ چھوڑنے جاتے ہیں"۔وہ خفگی سے منہ پھلائے خفا خفا سی معصوم سی پری لگی تھی۔

"ابراھیم چائے کے گھونٹ بڑھتے مسکرا کے اپنی خفا سی بیٹھی بیٹی کو دیکھ رہے تھے"۔

"ایسے نہیں کہتے میری جان ، وہ آپ کا بھائی ہے، وہ آپ کو کبھی نہیں بھول سکتا، وہ بھول سکتا ہی نہیں ، تھوڑا سا لاپرواہ ہے، لیکن وہ آپ کے لیے بہت حساس ہے"۔

انہیں نے نرمی سے انوشے کو سمجھانا چاہا۔

"میرا ہادی اپنی گڑیا سے بہت پیار کرتا ہے" مسز ابراھیم بھی مسکرا کے بولیں۔

وہ بس منہ بنا کے رہ گئ۔جانتی تھی بھیا کے خلاف کوئی کچھ نہیں سنے گا، اور وہ خود بھی ہادی کے معاملے میں بہت حساس تھی۔

"لگتا ہے مجھے کافی اچھے الفاظ میں یاد کیا گیا ہے" سیڑھیوں سے اترتے فریش سے ہادی نے انوشے کی شکل کو دیکھتے اندازہ لگایا۔ بلیک گول گلے والی شرٹ پہنے، ماتھے پر گرے کالے بال، ہیزل براؤن آنکھوں میں شرارت سموئے ہوئے تھا۔ ساتھ ہی اچک کے اسنے ایک ٹوسٹ اٹھانا چاہا۔ جسے انوش نے اسکے منہ تک جانے سے پہلے ہی پکڑ لیا۔

"چلیں شاباش ناشتہ کرنے کا وقت نہیں ہے مجھے جلدی سے کالج چھوڑ کے آئے ، آگے ہی آپ کی وجہ سے مجھے کافی لیٹ ہو چکا ہے"

۔

"یار ناشتہ تو کرنے دو" وہ بیچارگی سے بولا۔

انوشے نے انہی خفا نظروں سے ایک بار پھر ابراھیم کی طرف دیکھا۔

"ہادی بیٹا کیوں تنگ کر رہے ہو، میری بیٹی کو جاؤ پہلے اسے کالج چھوڑ کے آؤ، اور کوشش کرنا کے میری بیٹی کو کسی قسم کی پنشمینٹ میں کھڑا نہ کیا جائے"۔ انہوں نے رعب دار آواز میں ہادی کو باور کروایا۔

اسکی جھاڑ پہ انوشے نے بے ساختہ اپنی مسکراہٹ روکی ،اور آگے بڑھ کے ابراھیم کے گلے لگتی ، ماں کے چہرے پہ بوسہ دیتی ، انہیں خداحافظ کرتی باہر کی جانب دوڑی۔

ہادی منہ بسورتا اسکے پیچھے گیا۔

مسز ابراھیم نے مسکرا کے اپنی کل کائنات کو دیکھا، جن میں انکی جان بستی تھی، لیکن کون جانے یہ انوشے ابراھیم کا انکی زندگی میں آخری خداحافظ ثابت ہونے والا تھا۔کون جانے آج ہادی ابراھیم اپنے کون کون سے رشتوں سے ہمیشہ کے لیے بچھڑنے والا تھا، کون جانے اگلے چوبیس گھنٹوں میں کیا ہونے والا تھا۔لیکن کون جانے؟

وہ تیز رفتاری سے گاڑی چلاتے اگلے پانچ منٹ میں انوشے کے کالج کے آگے کھڑا تھا۔گاڑی کو گیٹ کے آگے پارک کرتے ، وہ اسکے ساتھ ہی نیچے اترا۔

"کہا تھا نہ گڑیا پانچ منٹ بعد تم کالج کے اندر موجود ہوگی"۔نیچے اترتے اسنے شیخی بگاڑی۔

"غلط کالج کے اندر نہیں کالج کے باہر" وہ گیٹ کے آگے کھڑی مسکرا کے اسکی بات رد کرچکی تھی۔

"ایک ہی بات ہے"۔وہ برا سا منہ بنا کے بولا۔

"بھیا"

۔

ہادی مڑنے لگا تھا جب پیچھے سے انوشے نے اسے آواز دے کے روکا۔

وہ سرعت سے مڑا، اور سوالیہ ابرواچکائے۔

"آج مجھے بھول مت جایئے گا پلیز، وقت پے لینے آجایئے گا" بہت مان سے کہا گیا تھا۔

"میں بھلا اپنی گڑیا کو بھول سکتا ہوں"۔اسنے مسکرا کے کہا۔

"آپ ہر بار یہی کہتے ہیں ، لیکن پھر بھول بھی جاتے ہیں"۔وہ خفگی سے بولی۔

"آج نہیں بھولوں گا" دھوپ کی تیز روشی میں اسکا چہرہ مزید پر کشش دکھ رہا تھا۔

"وعدہ؟"

"پکا وعدہ"

اور پھر وہ مسکرا کے کالج کا گیٹ پار کر گئ۔

اور ہادی ابراھیم نے اپنی کار واپس ابراھیم مینشن کی جانب موڑ دی۔

کون جانے انوشے سے کیا گیا وعدہ اگلے کچھ گھنٹوں میں ہی ٹوٹنے والا تھا ،لیکن کون جانے؟

گھر آکے اسنے ناشتہ کیا اور واپس اپنے کمرے میں جاکے نیند پوری کرنے کی غرض سے سوگیا۔اسے نہیں معلوم تھا کہ آج کے بعد اسے کبھی بھی چین کی نیند نصیب نہیں ہوگی، بلکہ آج کے بعد ہادی ابراھیم کی زندگی کے بدترین دن شروع ہونے والے تھے۔سہی معانوں میں وہ اب زندگی سے روشناس ہونے جارہا تھا۔

اسنے دو بجے انوشے کو کالج سے پک کرنے جانا تھا، ابراھیم کسی ضروری میٹنگ کے سلسلے میں آفس تھے، جبکہ مسز ابراھیم آج اپنی دوست کی جانب ایک دعوت پر مدعو تھی۔اور ہادی ابراھیم ہر چیز سے بے خبر نیند کی آغوش میں تھا ، یہ جانے بغیر کہ وال کلاک پہ موجود گھڑی تین کا ہندسہ پار کرچکی تھی۔۔وہ منہ تک کمفرٹر تانے، اے سی کی ٹھنڈک میں ہر چیز سے بیگانہ سویا ہوا تھا، دفتعاً اسکا فون بجنے لگا اسکرین کبھی جلتی تو کبھی بجتی ، اسکرین پر "مام کالنگ" کا نمبر جگمگا رہا تھا۔اسنے بیل کی آواز پہ موندھی موندھی آنکھیں کھولیں اور ہاتھ بڑھا کے سائیڈ ٹیبل سے فون اٹھایا، پہلی نظر اسکی

سیدھا وقت پے گئ، جہاں تین بج کے 20 منٹ ہورہے تھے، اسنے بے اختیار اپنی پیشانی چوئی ، دماغ میں پہلا خیال ہی انوشے کا آیا ، اور اسکی جان پے بن آئی تھی، موبائل فون اب خاموش ہوچکا تھا، اسکے ساتھ ساتھ ہادی ابراھیم بھی خاموش ہوگیا تھا، ساکت و جامد۔

اسکے شل اعصاب تیزی سے حرکت میں ، جلدی سے پیروں میں جوتے پہنتا، گاڑی کی کیز اٹھاتا وہ اندھا دھند باہر کی جانب بھاگا تھا۔مام کی کال وہ مسلسل اگنور کررہا تھا، جانتا تھا وہ اس سے انوشے کے متعلق ہی پوچھیں گیں ، وہ فلحال انہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔وہ گھر ہوتیں تو وہ اسے یاد کرواتی رہتی تھیں ، انوشے ابراھیم سہی کہتی تھی ہادی ابراھیم ہمیشہ اسے بھول جایا کرتا تھا آج وہ اپنی بہن کو بھول گیا تھا۔۔اور یہ اسکی زندگی کی سب سے سنگین غلطی ثابت ہونے والی تھی۔یا شاید ہوچکی تھی۔

فل سپیڈ میں رش ڈرائیونگ کرتا وہ اگلے چارمنٹ میں کالج کے گیٹ پے تھا، جان تو اسکی تب نکلی جب کالج کے گیٹ پے بڑا سا تالا لگا دکھائی دیا۔تیزی سے گاڑی سے نیچے اترتا وہ گیٹ تک آیا ایک امید سی تھی کے انوشے یہی کہی آس پاس ہوگی۔اسنے اِدھر اُدھر دیکھا کوئی گارڈ تک موجود نہ تھا ، اسنے بے بسی سے اپنے بال نوچے ، پھر ایک خیال کے تحت چونکا۔

"زاویار"۔ہوسکتا ہے وہ زاویار کے ساتھ ہو ، آگے بھی جب وہ لیٹ ہوجایا کرتا تھا تو انوشے زاویار کو کال کردیا کرتی تھی۔اسنے جلدی سے کانٹیکٹ لسٹ میں سے زاویار کا نمبر نکالا اور اسے کال ملائی ، اسکے موبائل پے انوشے کی بیس تیس مس کالز تھیں ، جانے اسنے کتنا انتظار کیا ہوگا۔۔۔۔بیل جارہی تھی، وہ اضطرابیت سے روڈ پہ چکر کاٹ رہا تھا۔بلآخر دوسری جانب سے کال پک کرلی گئ تھی۔

زاوی انوشے تیرے ساتھ ہے؟ اسنے چھوٹتے ہی سوال کرڈالا

"نہیں میرے ساتھ کیوں ہوگی وہ؟ گھر پہ نہیں ہے کیا؟ کال پہ موجود زاویار حیرت سے بولا۔

" نہیں میں تجھے بعد میں کال کرتا ہوں" فون کاٹتے ہی اب وہ دیوانہ وار کالج کا گیٹ پیٹ رہا تھا، ہیلو کوئی ہے؟ انوشے گڑیا ؟۔وہ دیوانہ وار انوشے کو پکار رہا تھا، آس پاس گزرتے لوگ حیرت سے اسکی جانب دیکھ رہے تھے، انوشے کا فون بند جارہا تھا، گھر سے یہاں تک آتے وہ مسلسل اسکا نمبر ٹرائے کرتے آیا تھا، اسکی کوئی دوست بھی نہیں تھی جسے کال کرکے وہ اس سے متعلق پوچھتا، اسکی گڑیا دوستیں نہیں بنایا کرتی تھی ، وہ ہمیشہ ہادی سے کہتی تھی اسکے بیسٹ بڑی ہادی بھیا اور زاویار بھیا ہیں ، اسے اور کسی کی ضرورت نہیں۔

پریشانی اسکے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی، یہ خیال ہی اسکے لیے سوہانِ روح تھا کے اسکی بہن غائب تھی، پچھلے تیس منٹ میں وہ حلق کے بل چلا چلا کے انوشے کو پکارتا رہا ، کالج کا گیٹ پیٹتا رہا، آس پاس بنی دکانوں ، کیفے ، راہ چلتے لوگوں کو وہ انوشے کی تصویر دکھا کر پوچھتا رہا، لیکن کسی نے اسے نہیں دیکھا تھا، کسی نے اسکی گڑیا کو نہیں دیکھا تھا۔

بلآخر اسکی ساری ہمت ٹوٹنے لگی، جسم سے جان نکلنے لگی، جسم عجیب عجیب وسوسوں سے کانپنے لگا، خوف نے پورے وجود پر ڈھیڑا ڈال لیا، وہ تھک کے ایک فُٹ پاتھ پر سر دونوں ہاتھوں میں گرائے بیٹھ گیا، اسکا ذہن معاوف ہورہا تھا۔ایک جملہ چابک کی طرح اسکے ذہن پر برس رہا تھا۔

"آج بھول مت جایئے گا بھیا، پلیز وقت پہ لینے آجایئے گا۔"

"میں بھلا اپنی گڑیا کو بھول سکتا ہوں"

"آپ ہر بار یہی کہتے ہیں، لیکن پھر بھول بھی جاتے ہیں"

"آج نہیں بھولوں گا۔"

"وعدہ؟"

"پکا وعدہ"

"ہادی ابراھیم اپنے وعدے کا پاس نہیں رکھ سکا ، ہادی ابراھیم وعدے نبھانا نہیں جانتا تھا، وہ بائیس سالہ نوجوان فٹ پاتھ پر بیٹھے بلک بلک کر رودیا، اسے انوشے کی وہ آنکھیں ستارہی تھیں، جب وہ مان سے اسے دیکھتی کہہ رہی تھی۔

"آج مت بھولیے گا بھیا۔"

وہ اسی طرح بیٹا بچوں کی طرح رورہا تھا، آس پاس سے گزرتے لوگ تعجب سے اسے دیکھ رہے تھے، اسکے فون پر مسلسل مسز ابراھیم کی کالز آرہی تھیں۔وہ سب کچھ بھلائے رورہا تھا۔شدید رورہا تھا، یہاں تک کے اسکی آنکھیں سرخ پڑنے لگی۔وہ ماں باپ کا کیسے سامنا کرے گا، وہ تو خود سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہا تھا، وہ پولیس سٹیشن جا کے رپورٹ لکھوانا چاہتا تھا، لیکن اسکے قدم انکاری تھے، اسنے بھاری ہوتے دل سے ایک فیصلہ کیا۔ماں باپ کو بتانے کا فیصلہ ، وہ انہیں فون پر سب کچھ بتادینا چاہتا تھا، وہ انکا سامنا کرنے سے کترارہا تھا، جاتا بھی کس منہ سے انکے سامنے؟

اسنے اپنا چہرہ اوپر اٹھایا، کانپتے ہاتھوں سے ماں کا نمبر ڈائل کیا۔انہوں نے پہلی ہی بیل پر فون اٹھالیا، وہ شاید پہلے سے منتظر تھیں۔

"ہادی بیٹے کہاں ہو؟ انوشے آپکے ساتھ ہے؟ بے حد غیر ذمہدارانہ رویہ ہے یہ بیٹے آپ دونوں کا؟ میں آپ دونوں کو مسلسل کالز کررہیں ہوں نا آپ اٹھا رہے ہیں نہ وہ اٹھارہی ہیں،بات کروائیں میری انوشے سے۔"وہ شاید دعوت سے لوٹ چکی تھی، اور شدید پریشانی سے سوال پہ سوال کررہی تھیں۔

"مام "ہادی کی آواز میں کرب تھا، لہجہ لرزتا ہوا تھا۔

"کیا ہوا بیٹے؟ سب ٹھیک ہے؟ آپ کہاں ہو؟ انوشے کہاں ہے؟" وہ پہ درپے سوال کررہی تھیں۔

مام انوشے نہیں مل رہی۔وہ کہتے ساتھ ہی رو دیا۔

"ہادی بیٹے کیا مطلب آپکا؟ کہاں ہے آپکی بہن؟ کیسے نہیں مل رہیں؟ آپ انہیں وقت پر لینے نہیں پہنچے؟"

مسز ابراھیم نے دہل کر اپنا ہاتھ سینے پر رکھا اور بے اختیار انہوں نے کھڑا ہونے کے لیے دیوار کا سہارا لیا۔

"اور جواب میں ہادی ابراھیم انہیں ساری کہانی بتا چکا تھا۔"

فون کے دوسری طرف گہرا سکوت تھا۔خون منجمد کرنے والی خاموشی ، اسے فون سے کسی کے گہرے گہرے سانس لینے کی آوزیں سنائی دینے لگی۔

"مام"

اسنے بے چینی سے ماں کو پکارا۔

دوسری طرف مسز ابراھیم ہاتھ میں فون تھامے زمین پر ڈھیڑ ہوئی گہری گہری سانس لے رہی تھیں، انکا سانس اُکھڑ رہا تھا، شاید اُنہیں ہارٹ اٹیک آیا تھا۔وہ سانس نہیں لے پارہی تھیں، کسی کو آواز دینے کے لیے لب کھولتی لیکن حلق ساتھ نہ دیتا۔

****

میٹنگ روم میں بیٹھےابراھیم نے بے اختیار اپنے دل کے مقام پر ہاتھ رکھا، انہیں اچانک ہر چیز سے بے زاری ہونے لگی ، اے سی والے کمرے میں ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔

"سر آپ ٹھیک ہیں؟ "پاس کھڑے مودب سے مینجر نے پریشانی سے پوچھا۔

"نہیں اسلم میری تمام میٹنگ کنیسل کردو ، اور گاڑی نکالو ہڑی اپ"۔بے چینی سے اپنا والٹ اٹھاتے وہ سب افراد سے معذرت کرتے وہاں سے نکلے۔

نجانے کیوں دل دھڑک رہا تھا، وہ پریشان ہورہے تھے، بے چین ہورہے تھے، لیکن وجہ معلوم کرنے میں ناکام تھے۔
انہوں نے پریشانی سے گھر کال کی، بیل جاتی رہی لیکن کسی نے نہیں اٹھایا۔مسز ابراھیم ، گھر کا ، ہادی، انوشے سب کا نمبر ٹرائی کیا کوئی بھی کال اٹھا کے ہی نہیں دے رہا تھا۔

پریشانی اور بے چینی نے بیک وقت حملہ کیا تھا، انکا سر دُکھنے لگا، مینجر نے گاڑی باہر نکلوا دی تھی، اس سے کیز لیتے انہوں نے گاڑی زن سے بھگا دی۔یہ جانے بغیر آج وہ گھر نہیں پہنچ پائے گے۔

****

فٹ پاتھ پے بیٹھے ہادی ابراھیم کا دل زور سے دھڑکنے لگا، مسز ابراھیم کی گہرے گہرے سانس لینے کی آوازیں اسکے حواس معطل کررہی تھیں۔

مام۔۔۔وہ چیخا تھا۔۔۔۔

مام مام۔۔۔آپ ٹھیک ہیں؟ انہیں پکارتے وہ ایک کان میں فون لگائے تیزی سے اپنی پارک کی گئ گاڑی کی جانب بڑھا۔۔

مام ؟؟؟؟؟۔وہ چیخا تھا۔۔۔۔وہ اب جلدی میں اپنی گاڑی ریورس کرنے لگا۔نجانے کیوں آج قسمت ہادی ابراھیم کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

*****

وہ گہرے گہرے سانس لیتیں اپنا سانس بحال کرنے کی کوشش کررہی تھیں، اتنے بڑے مینشن میں اس وقت کوئی ملازم آس پاس دکھائی نہیں دے رہا تھا، بڑے بڑے محل اور گھر بھی کسی عذاب سے کم نہیں ہوتے، یہ آپکو بہت برے وقت میں ڈھستے ہیں۔

سانس لینے کی کوشش میں وہ زندگی کا آخری سانس بھرچکیں تھیں، ایک لمبا سانس لیتی انکی گردن دائیں جانب کو ڈھلک گئ ، ہاتھ بے جان ہوگئے ، فون نیچے گر پڑا ، آنکھیں بند ہوگئ ، وہ زندگی کی جنگ میں اپنی بازی ہار چکی تھیں۔

* * * * * * * * * * * *

انکے سانس لینے کی آواز دم توڑ چکی تھی، ہادی کا پاؤں بے اختیار بریک پر گیا۔

مام؟ ؟؟؟؟

خاموشی۔۔۔۔

مام مام؟ اسنے چلا کر بلایا۔

خاموشی۔۔۔

کانپتے وجود کے ساتھ اسنے باپ کا نمبر ڈائیل کیا۔ بیل جانے لگی ، اسکا دل کانوں میں دھڑک رہا تھا ، خوف سے، ماں کو کھونے کے ڈر سے ، دل لرز کے رہ گیا تھا۔

* * * * * * * * * * * * * *

کار ڈرائیو کرتے مسٹر ابراھیم کی بے چینی بڑھتی جارہی تھی، وہ بہت تیزی سے موڑ کاٹ رہے تھے ، اپنی فیملی کے بارے میں ہر اچھا برا خیال انکا ہمیشہ درست ثابت ہوتا تھا۔ ابھی وہ ڈرائیو کرہی رہے تھے، جب فون پر ہادی کی کال آنے لگی۔

ہاتھ بڑھا کر ڈیش بورڈ سے فون اٹھاتے انہوں نے تیزی سے یس کیا۔

"ہادی بیٹا؟ سب ٹھیک ہے؟ " انہوں نے چھوٹتے ہی سوال کر ڈالا۔

اور جواب میں جو ہادی ابراھیم نے انہیں بتایا، وہ انکی دنیا ہلادینے کے لیے کافی تھا۔انکے ہاتھ اسٹیرنگ سے اٹھ چکے تھے، انکی نظریں سامنے نہیں فون پر ٹکی تھی، ہیزل براؤن پتھراتی ہوئی آنکھوں کو خبر بھی نا ہوئی جب انکی کار سامنے سے آتے ایک ٹرک سے بری طرح ہٹ ہوئی۔کار کہی دور جاکے گری تھی، وہ تین بل کھاتی سڑک کے بیچ و بیچ الٹ گئ۔

ہادی ابراھیم کے دو فون کالز نے آج دو قیمتی جانیں لی تھیں۔اور وہ ابھی باب کی موت سے بے خبر تھا۔۔

****

اور وہ اس سے بے خبر اپنے گھر میں تیزی سے داخل ہوا۔ماں کو زمین پر بے جان پڑے دیکھتے اسکے قدم منمجد ہوئے،چہرہ سفید پڑنے گا۔لٹھے کی مانند سفید۔وہ تیزی سے حرکت میں آتا ان تک آیا۔ لیکن اب بہت دیر ہوچکی تھی۔۔بہت دیر۔۔۔اسے شاید ہمیشہ دیر ہوجایا کرتی تھی۔اسکا دیر سے آنا کبھی بھی اچھا ثابت نہیں ہوا اسکے لیے۔اور آج اسکا دیر سے آنا اتنا بے رحم ہوگا اسے اندازہ نہیں تھا۔وہ بائیس سالہ نوجوان اپنی ماں کا چہرہ چومتے ، کبھی ہاتھ پکڑے پھوٹ پھوٹ کے رودیا۔دُنیا اتنی ظالم ہوسکتی ہے ، اسے اندازہ نہیں تھا ، اسکی ماں نے تو زمانے کی سرد ہوا بھی اس پر پڑنے نہیں دی ، کیوں کرتے ہیں ماں باپ ایسے؟ کیوں وہ زندگی کے دوسرے رُخ سے بچوں کو آگاہ نہیں کرتے۔

دفتعاً اسکا گون بجنے لگا۔سرخ روتی ہوئی آنکھیں اٹھا کر اسنے اسکرین کی جانب دیکھا۔

"ڈیڈ کالنگ۔۔۔"

اسنے دھڑکتے دل سے کال ریس کی۔اور آگے سے جو اسے سننے کو ملا اسے آج قیامت کا گمان ہونے لگا۔

"ڈیڈ کا ایکسیڈنٹ؟؟؟؟"

****

پہلے انوشے، پھر ماں ،پھر باپ۔۔کس کس کو نہیں کھویا اسنے آج پچھلے کچھ گھنٹوں میں۔کیا سے کیا ہوگئ تھی اسکی زندگی ؟ اسنے مشینی انداز میں زاویار کو اطلاح دی۔اور ایمبولینس اسکے باپ کی ڈیتھ باڈی گھر لے آئی تھی۔وہ اپنے مُردہ باپ کے سینے سے لگا بچوں کی طرح رویا تھا۔۔۔
پھر اسنے دیکھا لوگوں کا اسکے گھر ہجوم لگنے لگا، رشتہ دار ، زاویار کے فیملی ممبرز ، اسکے دوست ارکاب ، سب اس سے افسوس کا اظہار کر رہے تھے، زاویار اسے گلے لگا ہر خوب رویا تھا، لیکن وہ تھا جو خاموش تھا۔گہری خاموشی اسکے اندر تک اترنے لگی۔
" کیا لوگوں کا افسوس ظاہر کرنا ، تعزیت کرنا ؟ دل پر لگے زخموں پر مرحم رکھ سکتا ہے ؟ کوئی نہیں جانتا تھا۔کوئی نہیں لیکن اس دن کے بعد ہادی ابراھیم میں لاابالی پن ختم ہوچکا تھا، وہ شوخ اور کم عمری سے بہت آگے نکل آیا تھا، وہ اب بات بات ہر ہنسا نہیں کرتا تھا، وہ خاموش ہوگیا تھا۔اپنے تین قریبی لوگوں کی جدائی کا خود کو ذمہدار ٹھہرانے لگا تھا۔
اس دن کے بعد وہ ھیلر نہیں بنا تھا۔ہونہہ۔۔ھیلر تو اسے کسی بوڑھی خاتون نے بنایا تھا۔۔کب کیسے یہ صرف وہ اور اسکی بوڑھی خاتون جانتی تھیں۔

کرب ناک خیالوں کی دنیا سے وہ آپس حال میں آیا، جہاں اسکے وہ تین پیارے موجود نہیں تھے، جہاں وہ ھیلر تھا، اور اس وقت تکلیف میں تھا، ان کرب ناک یادوں کو یاد کرتے ناجانے کب اسکی آنکھ لگ گئ۔ تکلیف دہ یادوں کے بعد نیند اکثر اس پہ مہربان ہوجایا کرتی تھی۔

****

یہ منظر ایک ہسپتال کا ہے۔ راہداری سے چلتے آگے جاؤ تو آپریشن تھیٹر کے پاس ہی ہادی ابراہیم ایک بینچ پر بیٹھا تھا پاس ہی زاویار ٹہل رہا تھا خوشی اس کے ہر انداز سے عیاں تھی۔ جیسے وہ ہواؤں میں اڑ رہا ہو، وہ کیوں نا خوش ہوتا آج وہ باپ بننے جا رہا تھا۔ اس کا بس چلے تو گھڑی کی سوئیاں آگے گھما کر انتظار ختم کردے۔

"بیٹھ جائیں زاوی بھیا کیا پینڈولیم کی طرح دائیں سے بائیں جا رہے ہے، آپ کو دیکھ کے مزید انتظار مشکل ہو رہا۔" انوشے جو دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑی خود بھی پرجوش سی تھی لیکن اسے دیکھتے اسے انتظار کا پیمانہ ہی لبریز ہوتا لگ رہا تھا۔

"بھیا سب سے پہلے پھپھو اپنی پرنسس کو اٹھائیں گی۔" دس سالہ مانم ہاتھ میں جوس پکڑے نا جانے کہاں سے نمودار ہوئی۔

"آِوئیں پیچھے ہو سب سے پہلے میں اپنی بیٹی ہو اٹھاؤں گا۔" زاویار سب کو گھورتے ہوئے بولا تھا۔

"ایک منٹ ایک منٹ سب سے پہلے وہ چاچو کے پاس آگے گی۔" ہادی انگلی اٹھاتے ہوئے مانم اور زاویار کے مقابل آیا تھا۔

"تم سب یہاں کھڑے ہو کے لڑو اٹھاؤ گی تو میں ہی۔" انوشے ایک ادا سے بولی۔
"چپ کرو تم مینڈکی کہیں کی۔" ہادی نے زبان چڑائی تھی۔اگر وہ ہسپتال میں نہ ہوتے انوش اب تک اس بات پر اس کے چہرے کا نقشہ بگھار چکی ہوتی۔
زاویار پھر سے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولنے ہی لگا تھا کہ زاویار کی موم قریبی بینچ سے اٹھ کر آئی تھیں۔جیسے ان کی آوازیں وہاں دور تک آ رہیں ہوں۔ان کی ایک انگلی پر کاؤنٹر تھا اور زبان ذکر سے تر تھی۔وہ تنبیہہ کرتی نظروں سے ان چاروں کو گھور رہی تھیں۔جو آپریشن تھیٹر سے سامنے کھڑے ہو کر مسلسل لڑتے جا رہے تھے۔
"سوری موم۔۔۔سوری آنٹی" ان کے گھورتے ہی وہ چاروں سیدھے ہوئے۔
"لیکن موم میں اپنی بیٹی کو اٹھاؤ گا پہلے۔" زاویار کا انداز دو ٹوک تھا۔
"اگر اب تم چاروں کی آواز آئی نا تو اٹھا کر میں نے ہسپتال کے باہر پھینکا ہے بجائے دعا کرنے کے خیرت سے وہ دونوں ٹھیک ہوں۔تم لوگ لڑ رہے ہو۔۔۔" ان تینوں کے دوبارہ سے منہ کھلتے دیکھ کر تنبیہہ کرتی ان کے پاس والے بینچ پر ہی بیٹھ گئیں۔جہاں پہلے ہادی بیٹھا تھا۔
وہ چاروں ایک دوسرے کو دیکھتے ہونہہ ہونہہ کرتے رُخ موڑے پھر سے انتظار کرنے لگے تھے۔
ان کو دوبارہ سے انتظار کرتے دس منٹ ہی گزرے تھے کے ایک دم سے ہی نرس تیزی سے آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھولتے نکلی تھی۔
"میری وائف کیسی ہیں۔؟" زاویار تیزی سے خوشی سے دھمکتے چہرے کے ساتھ پوچھتا آگے بڑھا۔

"آپ پیشنٹ کے ہزبینڈ ہیں۔؟" نرس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔زاویار نے جلدی سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

باقی سب بھی اس کے پیچھے ہی آ کر کھڑے تھے۔"ہمیں فوری طور پر بلڈ کی ضرورت ہے۔اے پوزیٹو چاہیے جلدی۔ہم نے چیک ہماری لیب میں ختم ہے۔آپ پلیز جلدی سے بندوبست کریں۔"

"می۔آ۔۔۔آئیرہ ٹھیک ہے۔؟" زاویار کے دل کو کوئی مٹھی میں زور سے بھینچا جیسے کچھ غلط ہونے کو ہے۔اسے اپنی آواز کسی کھائی سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔

نرس کہہ رہی تھی کہ "آئیرہ کی حالت خطرے میں ہے۔"ہادی نرس سے کیا کہہ رہا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا الفاظ گڈ مڈ ہو رہے تھے۔بس ہونٹ ہلتے نظر آ رہے تھے۔

"ہادی ہسپتال کے بیڈ پر لیٹا خون دے رہا تھا۔ایک ایک قطرہ خون کا بوتل میں نہیں اسے اپنے دل پر گرتا محسوس ہو رہا تھا۔ہادی اب بیڈ سے اٹھ رہا تھا۔نرس وہ خون بوتل اتار کے کر کر جا رہی تھوڑی دیر بعد وہ پھر سے آپریشن تھیٹر کے سامنے دیوار کے ساتھ کھڑے تھے۔

اسے اپنی سانس بے ترتیب لگ رہی تھی۔تیز تیز چلتی ہوئی۔کچھ کہتی ہوئی۔ایک دم سے اپنی آنکھوں سے سامنے آئیرہ نظر آئی۔دو دونوں ہسپتال جانے سے پہلے کمرے میں تھے۔وہ سنگھار میز کے سامنے کھڑا بالوں کو جیل لگا کر سیٹ کر رہا تھا۔پاس ہی آئیرہ بالوں میں برش کرتے انہیں ایک ریشمی بینڈ میں بھاندہ رہی تھی۔

"ماضی میں جو کچھ ہو چکا ہم بھول جاتے ہیں آج سے نئی زندگی کا آغاز کرتے ہیں۔"وہ بالوں کو آگے کندھے پہ ڈالتے آئینے میں اس کے عکس کو دیکھتے بولی تو زاویار دھیرے سے مسکرایا۔"جانتی ہوں میں

نے کبھی ہمارے رشتے کو دل سے قبول نہیں کیا تھا لیکن اب سے میں تمہاری زندگی کو خوبصورت بنانے اور اس میں رنگ بھرنے کی کوشش کروں گی۔یہ میرا وعدہ۔"اپنی ہی دھن میں بولتے زاویار کے پاس آئی۔

"اب بھی یہ کوشش ہماری اولاد کے لیے کر رہی ہو، میں نا پہلے کہیں تھا اور نہ اب کہیں ہوں، تم نا پہلے جگہ بنا سکی ہو نا اب(سر جھٹکا) پتا نہیں اب بنا پاؤ گی کہ نہیں۔میں بھی ایک کوشش اپنی بیٹی کے لیے کر سکتا ہوں۔"زبان سے کچھ کہا نہیں وہ یہ سب سوچ رہا تھا۔

"اب چلتے ہیں دیر ہو رہی ہے۔"اس کا ہاتھ تھپتھپاتے بولا تو آئیرہ کا رنگ پھیکا پڑا۔اتنا عرصہ وہ اسے اہمیت نہیں دیتی رہی تھی۔تین ماہ اس سے چھپا کہ رکھا تھا کہ وہ ماں بننے والی ہے۔تین ماہ بہانے بنا بنا کے اپنی ماں کے گھر رہی تھی۔آج کیسے اتنی جلدی اس کے ایک بار کہنے پہ اس کا ہو جاتا؟؟"

زاویار نے اس کا رنگ واضع پھیکا پڑتے دیکھا۔اتنا عرصہ اس رشتے کہ ٹھیک ہونے کا انتظار کیا تھا۔تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔اسے بھی کوشش کرنی تھی۔دروازے ہینڈل پہ ہاتھ دھرتے وہ مڑا اور بولا۔

"اور پتا آئیرہ۔۔۔"آئیرہ بے اختیار نظریں اٹھائیں۔جیسے وہ کسی خیال سے چونکی ہو۔"ہماری بیٹی سیم تمہارے جیسی ہوگی۔وہ بادامی آنکھیں اس کے چہرے پے جمائے بولا۔پہلے وہ حیا سے خود میں سمٹی اور پھر کھکھلا کے ہنسی۔اس کی جلترنگ سی ہنسی کانوں میں گھونج رہی تھی۔کہ۔۔۔۔

ایک دم دوبارہ سے آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھلا تو وہ چونکا اور جیسے ایک دم ہی جو نڈھال سا لگ رہا تھا۔اب چستی سے ڈاکٹر کی جانب بڑھا۔ہادی بھی اس کے ہم قدم تھا۔اور اب زاویار کے بابا بھی آ گئے تو وہ بھی ساتھ تھے۔

انوش، زاویار کی موم اور مانم پیچھے ہی تھیں۔ڈاکٹر آگے بڑھتے ہی اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"آئی ایم سوری زاویار۔۔۔ہم آپ کی وائف کو نہیں بچا سکے۔"

She is no more.....

یہ کہتے ہی وہ ٹھہرے پھر آگے بڑھ گئے۔زاویار نے یک دم دیوار کا سہارا لیا اسے لگا کہ اس کا دل بند ہو گیا، وہ بھی جیسے مر رہا ہو، کسی نرس نے آگے بڑھ کے اس کے ہاتھ میں ایک ننھی سی گڑیا تھمائی جو روئے جا رہی تھی۔بغیر آواز کہ ایک بے آواز آنسو اس کی آنکھ سے ٹوٹ کے اس ننھی بچی کے گھل کر گرا۔

"کیا میری کہانی کا انجام ایسا تھا،کیا ایک ایک پل کے انتظار کا اصلہ ایسا ملتا؟ اب ہی تو سب ٹھیک کرنا چاہا تھا۔یہ تو نا چاہا تھا میں نے؟"

اپنے پاس ہی اسے رونے کی ہچکیاں لینے کی موم مانم اور انوشے کی آوزیں آ رہیں تھی۔اب موم اس کے ہاتھ سے اس ننھی سی گڑیا کو اپنے آغوش میں لیتے خود میں سمیٹ رہی تھیں۔

ہادی اس کو سہارا دے رہا تھا۔مانم کو انوشے ہچکیاں لیتے اپنے سینے سے لگائے کھڑی تھی۔

وہ خالی ہاتھ کھڑا رہ گیا تھا۔اس لگ رہا تھا دنیا ختم ہو رہی ہے یا پھر کوئی الٹی چھڑی سے اس کا گلا کاٹ رہا ہے۔

ہادی اور بابا نم آنکھیں پونچھتے اسے حوصلہ دے رہے تھے۔اس کا گھر اجڑ گیا۔۔اسے لگ رہا تھا پاس سے گزرتا ہر شخص تماشائی ہے جو اسے رک رک کے دیکھ رہا۔

ایک بار پھر سے آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھلا تھا اور سفید چادر سے ڈھانپے سٹیچر پر ڈالے کوئی باہر آ رہا تھا۔

ہاں وہ اس کی آئیرہ تھی۔وہ دیوانہ وار بھاگا تھا۔اور اس کے چہرے سے کپڑا ہٹایا تو وہ پر سکون نیند سو رہی تھی۔

"ت۔۔۔تم میری میں رنگ بھرے کے وعدے کر کے، تم ایک بار پھر سے بے وفائی کر گی ہو۔آئیرہ اب کی بار میں نے جانے انجانے میں اس وعدے کا اعتبار کر لیا تھا۔۔اٹھو۔۔۔آئیرہ میں بھی مر جاؤ گا۔آئیرہ وہ چھوٹی ہے کیسے سمبھالوں گا مجھے ڈر لگتا۔۔۔آئیرہ میرا کیا قصور ہے جو مجھے اکیلا چھوڑ دیا۔"وہ اس کے کے ماتھے کے ساتھ ماتھا ٹکائے دیواناوار رو رہا تھا۔

ہاں وہ رو رہا تھا۔اس کی کہانی کا انجام میں کسی نے اس کے دل میں ہنجر کھومپ دیا تھا۔

ن۔۔۔نہیں۔۔۔نہیں جاؤ۔۔۔نہیں ایک دم سے تیز تیز سانسیں لیتے وہ اٹھ بیٹھا۔ہادی اس کے پاس تھا۔وہ شاید پہلے سے ہی جاگ رہا تھا رات میں وہ اسی کے کمرے میں باتیں کرتے سو گیا تھا۔کمرے میں نیم اندھیرا تھا۔لیمپ کی زرد روشنی پھیلی کمرے میں رکھی ہر چیز کو زدر رنگ میں لپیٹے ہوئی تھی۔

وہ پورا پیسنے میں نہایا ہوا تھا۔اسے اپنا دم گھٹتا محسوس ہو رہا تھا۔

"کوئی برا خواب دیکھا۔"ہادی پوچھ رہا تھا۔آج اتنے سالوں بعد اسے یہ خواب آیا تھا۔

"آئیرہ ، میری بیٹی۔"وہ آہستہ سے ٹھہر ٹھہر کے بولا۔

ہادی نے پلنگ کے ساتھ سر ٹکایا اور کچھ دیر بعد بولا۔"تم اس سے شادی کیوں نہیں کر لیتے زاویار۔؟"

زاویار نے تیزی سے گردن موڑ کے اسے گھورا اور سختی سے دانت آپس میں پیوست کیے۔جیسے کچھ کہنے سے خود کو روک رہا ہو۔

"مانم کو لگتا وہ میرے ساتھ جچے گی۔اب کہ ہادی گردن پھینک کے ہنسا جیسے بڑی ہی کوئی مزاحیہ بات ہو۔اس دن اُس نے میرے ساتھ پروگرام سیٹ کیا تو تم اس کے ساتھ جانے لگے سچی بتاؤ مجھے نا بہت ہی غصہ آیا تھا۔تم اس کے ساتھ پروگرام سیٹ کر سکتے ہو اسے دل کی بات نہیں بتا سکتے۔"

"ہادی۔۔۔"اب کہ زاوی نے مٹھی بھینچے تھی۔

"مان لو حقیقت زاویار احمد تم زویا سے محبت کرتے ہو۔"ایک ایک لفظ پہ زور دیتے بولا۔

"شٹ اپ۔۔۔آئی سیڈ جسٹ چٹ اپ۔"ایک زور دار تمانچا ہادی کے منہ پے لگا۔وہ بے یقین سا تھا کہ واقعی ہادی ابراہیم کو زاویار احمد نے تھپڑ مارا۔

زاویار تیز سے کمرے سے نکل گیا تھا۔باہر صبح کا سورج طلوع ہو رہا تھا۔کتنی ہی دیر ہادی ایسے ہی بیٹھا رہا پھر بیڈ کا سہارا لیتے اپنی وارڈروب تک گیا اور وہاں سے کپڑے نکال کے آہستہ آہستہ چلتے واش روم میں گم ہو گیا۔

واپسی بیس منٹ بعد ہوئی۔۔تو اب سورج پوری طرح آنکھ کھول چکا تھا۔ساتھ ہی کچن سے بھینی بھینی ناشتے کی خوشبو آ رہی تھی۔

بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے فرسٹیڈ باکس اٹھاتے وہ کمرے کے ایک جانب پڑے دو سیٹر صوفے پر آ کر بیٹھا۔ٹانگ میں ہلکی ہلکی درد کی ٹھیسیں اٹھ رہی تھی۔

اپنی ٹانگ ٹیبل پر رکھتے اس نے باکس سے پٹی نکال کر اس پر ائینٹمینٹ لگانے لگا۔ تبھی کمرے کا دروازہ کھلا اور ہاتھ میں ٹرے لیے زاوی داخل ہو۔وہ بھی فریش ہو کر کپڑے تبدیل کر چکا تھا اب ناشتا بنا کر اپنے تھپڑ کا عزالہ کرنے آیا تھا۔ہادی ویسے ہی اپنے کام میں مگن رہا۔

"روٹھے ہو تم، تم کو کیسے مناؤں پیا بولو نا" وہ ہلکا سی آواز میں گنگناتے ہوئے آگے بڑھا۔

ہادی بغیر کوئی رسپانس دیے روئی کے کر اپنے زخم صاف کرتا تھا۔

لاؤ میں کرتا ہوں زاویار ٹرے رکھتے اس کے ہاتھ سے روئی لینا چاہی تو ہادی ٹھنڈے ٹھار لہجے میں بولا۔"میں خود کر لوں گا"

"لا یار میں کرتا ہوں نا" زاویار اس بار روئی والے پیکٹ سے نکال کے زخم پر جھکا۔

"میں نے کہا میں اپنے زخم بھر سکتا ہوں۔ نہیں چاہیے مجھے تمہاری مدد" ایک زوردار تھپڑ اس کے کھال کی زینت بنا۔

زاویار نے پہلے تو گھال پے ہاتھ رکھا پھر کچھ سیکنڈز کے بعد ہنس دیا۔"کچھ دیر پہلے حساب برابر ہو گیا تھا" بغیر برا منائے اس نے آئیٹمینٹ لگی پٹی اٹھا کہ کرنے لگا۔

"زویا اچھی لڑکی ہے زاویار۔"ہادی نے ٹرے سے چائے کا کپ اٹھایا۔

"یہی تو اس کا مسئلہ وہ اچھی نہیں بہت اچھی ہے۔"یہ سوچا بولا تو بس اتنا۔"نو مور کامینٹس"

ہادی ابراہیم بھی اپنے نام کا ایک ہی تھا بغیر اثر لیے بولا۔"تم اسے اتنے عرصے سے اس کی چھوٹی سے چھوٹی غلطی ڈھونڈ کے اپنے آفس میں عدالت لگاتے ہو۔وہ چپ چاپ سن لے تو تمہیں اچھا نہیں لگتا۔اس لیے اسے الفاظ بولتے ہو کہ وہ تم سے خفا ہو جائے۔پھر اسے منانے بھی چلے جاتے ہو اور تو اور زاویار احمد کسی لڑکی کو واپس لانے کے لیے سوری بھی کر لیتا۔تم مان کیوں نہیں لیتے ہو تمہارا اس سے لڑے بغیر گزارہ نہیں ہے۔اگر وہ کسی دن نظر نا آئے تو مقدما بنا کے اسے ڈینجر زون میں داخل کر دیتے ہو۔"وہ مزے سے چائے کے سپ لیتے بول رہا تھا۔

"ہادی اب تم نے مزید بکواس کی نا۔۔۔زاوی میں نے تیرا منہ توڑ دینا تو مان کیوں نہیں لیتا۔خوشیاں تیرے تعاقب میں ہے تو ان کو خود تک رسائی کیوں نہیں دیتا؟" ہادی اس کی بات بیچ میں ہی کاٹی۔پٹی ہو چکی تھی وہ صوفے پر بیٹھتے کمر پیچھے صوفے کی پشت سے ٹکائی آنکھیں بند کرتے کانپتی مسلتے بولا۔"ہادی میری زندگی کی ڈارک سائیڈ اسے نہیں معلوم"

ماضی گزر چکا۔"ماضی کے غلام بنے رہو گے تو اتنا یاد رکھنا یہ تمہیں آگے نہیں بڑھنے دے گا"۔وہ کالے بادل جو تمہاری زندگی پر چھائے تھے جن سے تمہیں لگا تھا کہ سب ختم ہو گیا، تمہاری دنیا اندھیر ہو چکی ہے۔وہ بادل ہوا اڑا لے کے جا چکی ہے۔آسمان اب صاف، صاف اور روشن، تمہاری منزل تمہارے سامنے ہے۔

تم اس کو سپیشل تو فیل کرواو، اسے یہ تو فیل کروا کہ وہ کہیں ہے تمہاری زندگی میں۔وہ خاموشی سے اسے بریڈ پر جیم لگاتے روانی میں بولتے دیکھ رہا تھا۔

اس کی بات بھی ایسی ہی تھیں جیسے روانی سے بریڈ پر چلتی جیم کی چھڑی۔وہ لفظوں کے کھیل کھیلنے میں ماہر تھا۔دوستوں کے زخموں پے وہ ایسے نرمی سے مرہم رکھتا تھا۔اور دشمنوں سے بات کرتے لفظوں کی خیر پھیر سے گمراہ کرتا۔اپنا اصلی کام نکال لیتا تھا۔

-

****

وہ معمول کے مطابق ہسپتال کی راہداری سے گزر رہا تھا، وہی پیشہ ورانہ انداز اپنائے ، اپنی مخصوص مسکراہٹ سٹاف کی طرف اچھالتا وہ اپنے آفس کی جانب جارہا تھا ، جب وہ اسے سامنے ہی کافی میکر کے پاس کھڑی کافی بناتے ہوئے دکھائی دی، سنہرے بال اونچی ٹیل پونی میں مقید تھے ، چند آوارہ لٹیں چہرے کا اطواف کر رہی تھیں، وہ وہی رُک گیا، ناجانے کیوں آس پاس حرکت ہوتی ہر شے سے بے نیاز وہ یک ٹک اسے دیکھے گیا ، وہ اسے حسین لگ رہی تھی ، یا شاید اچھی لگ رہی تھی ، اسکے لئے اندازہ لگانا مشکل ہوگیا۔

"زاویار احمد فوکس ، فوکس آن یور ڈیوٹی ، اسنے خود کو سرزنش کی"۔تب ہی وہ اپنی تیار کردہ کافی لیے مُڑی ،سامنے ہی راہداری میں ڈاکٹر زاویار کو کھڑے دیکھتے اسنے منہ بنایا۔

اسکا منہ بنانا اس سے مخفی نہ رہا، وہ لبوں کے کنارے اپنی مسکراہٹ روکے ، اسکی جانب بڑھا۔

"صبح صبح مجھے دیکھتے جو آپکے چہرے پر رونق آتی ہے مس زویا اِس رونق کو میں کیا نام دوں؟" وہ لبوں کے کنارے اپنی دلفریب مسکراہٹ روکے ہوئے تھا۔

"اس کو رونق نہیں سایہ کہتے ہیں کالا سایہ جو آپکو دیکھتے ہی میرے خوبصورت سے چہرے پر آجاتا ہے ، جسے دیکھتے ہی میری ساری سرشاری ہوا ہوجاتی ہے۔"

وہ بھی زویا فیصل تھی تِنگ کے جواب دینا جانتی تھی۔
اسکی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی ، بلاشبہ اسکی مسکراہٹ جان لیوا تھی۔۔

زویا یک ٹک اسکے چہرے کی جانب دیکھے گئ ، کتنا خوبصورت لگتا تھا وہ مسکراتے ہوئے ، وہ آج پہلی بار اسکی مسکراہٹ اتنے قریب سے دیکھ رہی تھی۔

وہ اسکی کیفیت دیکھ کے مسکرایا۔۔

"پھر عادت ڈال لیں ، مس زویا یہ رونق تو تقریباً روز ہی آپکے چہرے پر آتی ہے ، اور آتی رہے گی۔"وہ آج بات بہ بات مسکرارہا تھا۔

(انکی طبعیت تو ٹھیک ہے) وہ دل ہی دل میں بڑبڑائی۔

"بلکل ٹھیک ہے۔"وہ اسکی حالت سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا۔

جی؟؟؟وہ پل میں گڑبڑائی۔۔۔کیا وہ اسکے اندر تک جھانک رہا تھا۔

لنچ بریک پر ریڈی رہیے گا ، کہی باہر سے لنچ کریں گے۔وہ اتنی نرمی سے بول رہا تھا زویا سے یہی بات ہضم نہیں ہورہی تھی۔

کیوں ؟ اور ہادی کہاں ہے؟؟؟ اسے یکدم ہادی کی غیر موجودگی کا احساس ہوا ، وہ عموماً زاویار کے ساتھ ہی ہسپتال آتا تھا ، اور آج وہ کہی دکھائی نہیں دے رہا۔۔

"کیوں جیسے سوال کا جواب میں نہیں دوں گا ، البتہ ہادی کچھ دنوں کے لیے مانم کے پاس اسلام آباد گیا ہے ، " وہ اصل بات کو گول کرگیا تھا، اور اسکے پاس سے ہوتے گزر گیا۔۔

"ہائے اللہ یہ وہی سڑو کھڑوس ڈاکٹر زاویار احمد ہی تھے ناں ؟ "وہ دل ہی دل میں بڑبڑائی پھر ہادی کا خیال آتے ہی اسنے فون نکال کے اسے کال ملائی۔
دوسری ہی بیل پہ فون اٹھا لیا گیا تھا۔

"زہے نصیب میری یاد کیسے آگئ "فون سے ہادی کی چہکتی آواز اسکے کانوں میں پڑی۔

"دماغ خراب تھا بس اس لیے آگئ " وہ جل کے گویا ہوئی۔

"کوئی بات نہیں میری یاد اکثر الٹے دماغ والوں کو ہی ستاتی ہے " وہ اس وقت اپارٹمنٹ میں بیٹھا بور ہورہا تھا ، آرام کرنا اسکی ہڈی میں شامل نہیں تھا ، زویا کی کال دیکھتے ہی اسکا موڈ فریش ہوچکا تھا۔

"آپ کا کچھ نہیں ہوسکتا ڈاکٹر ہادی" ڈاکٹر پر کافی زور دیتے ہوئے بولی۔
وہ اسے ڈاکٹر تب ہی بلایا کرتی تھی جب وہ اس سے ناراض ہوتی تھی ، اب ہادی کا ماتھا ٹھنکا تھا۔

"کیا ہوا زویا؟ ناراض ہیں؟" وہ فوراً پٹڑی پہ آیا۔

آپ نے مجھے بتانا ضروری نہیں سمجھا؟

کس بارے میں؟

اسلام آباد جانے کے بارے میں۔

اوہ تو وہ اب معاملہ سمجھا تھا ، یقیناً زاویار نے اسکے نا آنے کی وجہ یہی بتائی ہو گی۔

"اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کو میری یاد اتنی ستائے گی تو میں جاتا ہی نہیں "اسنے اسے تنگ کرنا چاہا۔

"ہادی " وہ پل میں اسے اسکے نام سے پکارنے لگ جاتی تھی۔

"لگتا ہے صبح صبح زاویار سے جھاڑ پڑ چکی ہے ، جو میری یاد میں کڑھ رہی ہیں" اسنے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

" یہی بات تو ستا رہی ہے " اسکی آواز صدمے سے چور تھی۔

" چِل کریں یہ تو روز کا ہے ، کونسا نئی بات ہے " اسنے بعد کو ہوا میں اڑانا چاہا۔

" میرے لیے یہ بلکل نئ بات ہے ہادی ، ڈاکٹر زاویار اور لنچ کی آفر اوپر سے اتنا نرم انداز اللہ اللہ ہادی مجھے وہ ٹھیک نہیں لگ رہے ، کہی تمہارے جانے کا غم سر پہ تو نہیں سوار ہوگیا ؟"

"لاحول واللہ قوۃ ،میں اسکی محبوبہ تھوڑی ہوں"۔اسنے تو گویا کانوں کو ہاتھ لگایا تھا۔

"ساری بات بتائیں" آخر میں دھیمی مسکان سے اسنے زویا سے پوچھا۔

جواب میں اسنے ساری کہانی سنا ڈالی ، اور ہادی نے اسے تسلی دی کے وہ پریشان نہ ہو وہ نارمل ہی ہے ، میں تو پہلے ہی کہتا تھا ، وہ دل کا برا نہیں ہے، مختصر سی بات کرکے اسنے فون رکھ دیا۔البتہ ہادی بہت خوش تھا ابھی صبح ہی تو اسنے اسے خوش دیکھنے کی دعا کی تھی ، وہ خوش تھا کہ اسکا یار زندگی میں آگے بڑھنے کی کوشش کررہا تھا۔۔

****

بس چند ہی راتیں میرے جیون کی کٹھن ہیں

جیسے کے یہ رات،وہ رات،ہر رات وغیرہ

آسمان پر ہلکے گہرے گلابی بادل چھائے تھے۔وہ پر سکون سا بینچ پر بازو پھلا کر بیٹھا،گرے پینٹ پر سفید شرٹ پہنے جاذب نظر لگ رہا تھا۔

ایک پل کے لیے نگاہوں کا ارتکاز ہاتھ پر پہنی گھڑی کی جانب ہوا تو اسی پل کانوں میں ہیل کی ٹک ٹک کی آواز پڑی۔ریحان کی نگاہیں تیزی سے سامنے کی جانب اٹھی۔

اہ وہ آ رہی تھی،،،وہی بے نیاز انداز، مغرورنہ چال، خاکستری رنگ کی گھٹنوں سے نیچے تک آتی قمیض، کانوں میں چھوٹی چھوٹی جھولتی بالیاں پہنے، سرخ وسپید پیروں میں سفید ہیل پہنے، بال اوپر سے سیدھے آتے نیچے سے موڑے تھے۔

ایک پل کے لیے بھی اس سے نگاہیں ہٹانا جرم لگتا تھا۔ریحان میکانکی انداز میں ماہ نور کی جانب قدم بڑھانے لگا۔

ریحان صاحب، ریحان صاحب دروازہ کھولیں۔ایک دم سے وہ اٹھ بیٹھا،کمرے نیم اندھیرا تھا۔خواب کہیں فضا میں تحلیل ہوا گیا۔لیکن وہ ابھی تک اُس احساس کے زیرِ اثر تھا۔

یہ آج پہلی بار نہیں تھا کہ ماہ نور اس کے خواب میں آئی تھی۔اس سے پہلے بھی پانچ دفعہ وہ آ چکی تھی۔وہ ہر بار اس جانب کھینچا چل جاتا۔

دروازے پے دستک ہونہوز ہو رہی تھی۔

یہ مجھے کیا ہو رہا اس نے اپنا درد سے پھٹا سر ہاتھوں میں تھما تھا۔

" اُحبک" (محبت)

"نہیں ہے مجھے تم سے محبت، نہیں کرتا میں تم سے محبت، نفرت کرتا ہوں میں، سنا تم نے۔" اپنے بالوں کو ہاتھوں کی مٹھیوں میں قید کیے اس نے دل کی آواز کو قوت سے چیخ کر دبانے کی ناکام کوشش میں ہانپنے لگا تھا۔

دروازے پر دستک کا سلسلہ کمرے سے آتی دھار سن کر تھم گیا۔ کتنی گھڑیاں ہو نہی خاموشی کی نظر ہوئیں۔

دھیرے دھیرے وہ دوبارہ سے لیٹتے چھت کو گھورتے چند فقرے کہے جا رہا تھا "نہیں کرتا میں محبت، نہیں ہو سکتی مجھے محبت، یہ ایک بزنس ڈیل ہے بس۔ جس دن وہ پورا ہو گئی اسی دن چھوڑ دوں گا۔"

❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊

اپنی ڈیوٹی پوری کرنے کے بعد وہ لنچ بریک پر قدرے منہ پھلائے پارکنگ ایریا میں زاویار کا انتظار کر رہی تھی، پچھلے دس منٹ سے وہ یہاں کھڑی تھی، اور اب اسکا صبر جواب دے رہا تھا، اسنے مڑ کے دیکھا ہی تھا جب وہ اسے بلیک ٹی شرٹ اور بلیک ہی جینز پہنے ، آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگائے ، ایک ہاتھ میں قیمتی ورسٹ واچ پہنے ، سفید جوگرز میں اپنے پیر مقید کیے ، لبوں کے کنارے دلکش مسکراہٹ سجائے کچھ گنگناتا ہوا اسی ہی کی طرف آرہا تھا۔(اوورآل وہ آفس میں ہی اتار آیا تھا۔)
اسے دیکھتے زویا کا دل دھڑکنا بھول گیا ، وہ یک ٹک اسی کی طرف دیکھے گئ ،جو آج اپنے ہر انداز سے اسے حیران کر رہا تھا۔یہ زاویار احمد کا کونسا روپ تھا۔وہ فقط سوچ کے رہ گئ۔

وہ کب اسکے قریب آکے کھڑا ہوا اسے دیکھتے وہ اندازہ نہ لگا سکی۔

"چلیں؟" دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ وہ نرمی سے بولا۔
وہ اب بھی کسی ٹرانس کی سی کیفیت میں یک ٹک اسے دیکھے گئ

۔
زاویار کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"کس حسین منظر میں کھو گئیں ہیں ؟ " دھوپ سے بچنے کے لیے زاویار نے اپنے ماتھے پر ہاتھ کا چھجہ بنایا ، اور شرارتی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔

وہ اسکی آواز پر ہڑبڑائی ، خفت سے اسکے چہرے سے نظریں ہٹائی ، پھر خفت زدہ چہرے نے غصے کی شدت اختیار کی۔

"پچھلے دس منٹ سے میں یہاں دھوپ میں کھڑی آپکا انتظار کررہی ہوں"۔وہ چبا چبا کے بولی۔

"تو چھاوں میں کھڑی ہوکے کرلیتیں انتظار"۔وہ ہنوز اسی پوزیشن میں کھڑا، مزے سے بولا۔

"یعنی آپکو مجھے انتظار ضرور کروانا تھا۔۔"وہ اپنی آنکھیں گول گول گھماتی اسے گھور کے اسے بولی۔

وہ اسکے انداز پر اپنی مسکراہٹ دبا کر رہ گیا۔

"جی مجھے آپکو انتظار ہی تو کروانا تھا"۔مقابل پر کوئی اثر نہ ہوا۔

وہ تن فن کرتی اسکی گاڑی کی بیک سائیڈ کا دروازہ کھولنے لگی، گاڑی لاکڈ تھی ، جس کی وجہ سے دروازہ نہ کھل سکا۔

"گاڑی ان لاکڈ کریں"۔وہ خفگی سے گویا ہوئی، سنہری ٹیل پونی قدرے ڈھیلی ہوچکی تھی، کچھ سنہری لٹیں اسکے چہرے کا طواف کررہی تھیں۔

"آگے بیٹھیں زویا میں آپکا ڈرائیور نہیں ہوں"۔وہ گاڑی ان لاکڈ کرتے سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"میں آپ کے ساتھ کسی ڈیٹ پر نہیں جارہی جو آگے بیٹھو ہنہہ"۔
وہ تو جیسے اسکے روب میں آجانے والی تھی۔وہ منہ چڑاتی بیک دوڑ کھولتی دھپ سے اندر بیٹھی۔

اسکے انداز پر وہ فقط اسے گھور کے رہ گیا، اور نفی میں سرہلاتا ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

****

پندرہ سے بیس منٹ کی ڈرائیو کے بعد وہ دونوں ایک ریستوران کی اوپری منزل پر ایک ٹیبل کے گرد بیٹھے دکھائی دے رہے تھے۔

"کیا کھائیں گیں؟ وہ مینیو کارڈ پر نظر دوڑاتے ہوئے اس سے پوچھ رہا تھا۔

"دیکھیں زاویار احمد میں ان ٹیپیکل ہیروئنز کی طرح تو بلکل نہیں ہوں جو اپنے ہیروز سے کہتی پھرتی ہیں۔

"(آپ اپنی مرضی سے کچھ بھی منگوالیں۔)۔میں زویا فیصل ہوں ، میں اپنی مرضی کا کھانا آرڈز کروں گی، لائی ئے ایک مینیو کارڈ مجھے دیں۔میں اپنا آرڈر خود لکھواؤں گی۔"وہ ناک سکوڑتی اسکے ہاتھ سے مینیو کاڑد اچکتے ، کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے ، سکون سے مینیو کارڈ دیکھنے لگی۔

وہ اسے دیکھ کے رہ گیا۔

" ویسے آپ کسی کی ہیروئن ہو بھی نہیں سکتیں۔"وہ اسکا خود کو ہیروئن سمجھنا ہضم نہ کرسکا ، اسلیے طنز کرنا ضروری سمجھا۔

اسنے مینیو کاڑد نیچے کرکے اسے دیکھا۔

"تو آپ کونسا کسی کے ہیرو ہوسکتے ہیں، ایک سڑا ہوا کریلا خاک کسی کا ہیرو ہوگا۔۔۔"وہ بھی تڑخ کر جواب دیتی ، مینیو کارڈ پھرسے اپنے سامنے کر گئ۔

(وہ دونوں کھانا کھانے کم ایک دوسرے سے لڑنے زیادہ آئے تھے)

زویا نے اپنی مرضی سے کھانا آرڈر کیا تھا، اور زاویار نے اپنی پسند سے ، ایسا ہو ہی نہیں سکتا جہاں زویا اور زاویار موجود ہوں وہاں کھانا ایک پر سکون ماحول میں کھایا جائے ، کھانے کے دوران بھی انکی نوک جھونک جاری رہی ، کھانا کھانے کے بعد جب وہ اٹھنے لگے تو زویا کا پاؤں پاس پڑی کرسی سے الجھا ، اور وہ دھڑم سے نیچے گری ، زاویار اسکی ساری کاروائی بہت سکون سے ملاحظہ کر رہا تھا ، وہ چاہتا تو اسے بچا سکتا تھا۔
زویا نیچے گری خفگی سے اسے گھورنے لگی۔
" مس زویا ایسا ہے کہ میں ان ٹیپیکل ہیروز کی طرح تو ہوں نہیں جن کی ہیروئن کے زرا سے قدم ڈگمگاتے نہیں اور وہ انہیں اپنا مضبوط کندھا فراہم کر دیں" زاویار احمد ہر بات کا بدلہ بخوبی لینا جانتا تھا۔
" آپ کسی کے ہیرو ہو سکتے بھی نہیں ". نیچے سے اٹھتی وہ خفگی سے اسے گھورتے ہوئے بولی۔
یہ تو تہہ تھا وہ دونوں باز نہیں آئیں گے ، لنچ کے بعد زاویار نے اسے اسکے گھر ڈراپ کیا اور خود ہسپتال روانہ ہو گیا ، اسکا کہنا تھا آج آپ نائٹ شفٹ رہنے دیں وہاں میں دیکھ لوں گا ، زویا سے تو اسکی اتنی مہربانیاں ہضم ہی نہیں ہو رہیں تھیں۔

❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊

یہ منظر ایک سڑک کے کنارے پر کھڑی گاڑی کا ہے۔وہ گاڑی سے باہر نکال کر بونٹ پر بیٹھا تھا۔
فون کان سے لگائے دوسری طرف جانے والی گھنٹیوں کو سنتے دھیرے دھیرے سانس لے رہا تھا۔
بہت کوشش کے باوجود ، خود کو ہزار باہر سمجھانے کے باوجود کے وہ صرف اس منگنی والے کھیل کو
کھیل سمجھ کر کھیلے، لیکن پیچھے گزرے ہفتوں میں خود کو سمجھا سمجھا کر تھک چکا تھا۔
ماہ نور کی جگہ دل میں خود باخود بنتی چلی جا رہی تھی۔یہ سب اس کی سمجھ سے باہر ہوتا جا رہا تھا۔
وہ اس کو چاہنے لگا تھا۔وہ مغرور سے لڑکی اچھی لگنے لگی تھی۔وہ اس سے ایک بار ہی ملا تھا، اور ایک
بار میں ہی دل کا مرض لاحق ہو گیا تھا۔

کیا حسنِ اتفاق ہے ان کی گلی میں ہم
اک کام سے گئے تھے، ہر کام سے گئے

اس رشتے کی بنیاد ہی ایک مکار کھیل پر رکھی گی تھی۔جب بھی وہ اس سے بات کرنے کا سوچتا تو
خیال کو جھٹک دیتا۔ناجانے کیوں اپنا آپ ایک دھوکے بار لگتا تھا۔اب بھی وہ یہی سوچ رہا تھا کہ وہ
نکاح کے بعد سب بتا دے گا، لیکن اسے کبھی چھوڑے گا نہیں۔
ہاں وہ اس سے محبت کرنے لگا تھا۔ہاں اسے محبت ہو گئ تھی۔
دوسری جانب وہ اپنے کمرے کے کونے میں کمپیوٹر کے آگے پیچھلے ایک گھنٹے بیٹھی بہت اہمنہاک سے
آفس کے کام میں مگن تھی۔بال آدھے کیچر میں بندھے تھے اور آدھے کمر پر تھے۔

"اماں میرا بیگ کدھر ہے۔جو آج آفس لے کر گئ تھی۔؟" کرسی پیچھے کی جانب دھکیلتے کمرے سے باہر جھانکا تھا۔
"مانو کمرے میں ہی ہو گا دھیان سے دیکھو۔"کچن میں کبابوں کی سائیڈ تبدیل کرتے رفعت نے کہا۔
"اماں نہیں ہے۔میں نے دیکھا۔"ماہ نور کی چند سیکنڈز کے بعد پھر سے آواز آئی۔
"ماہ نور مجھے لگتا مجھے آنا پڑے گا،، تمہاری آنکھوں پر بچپن سے جو چربی چھڑھی ہوئی ہے اس کا علاج کرنے۔"رفعت کی غصے سے بھرپور آواز اس کے کانوں میں پڑئی۔تو وہ قہقہہ لگا کر ہنس دی۔
"اماں میری ان حسین آنکھوں کو کچھ مت کہیں۔"وہ تو باقاعدہ خفگی سے بولی۔"اور آپ کو آنے کی ضرورت نہیں ہے۔رہنے دیں مجھے مل گیا میرا بیگ۔"
"میں کچھ نہیں کہہ رہی ان حسین آنکھوں کو جن کو سامنے پڑی چیز نظر نہیں آتی۔اور احسانِ عظیم مجھ پر ملکہ ماہ نور کو اپنا بیگ مل گیا۔"رفعت بھی آج فل فام میں تھیں۔
"واہ واہ اماں آج تو سخی طنز پروگرام سٹارٹ کیا ہوا۔لگتا ساتھ والی بشریٰ آنٹی چکر لگا کر گئیں ہیں۔" بیگ کو بیڈ پر الٹتے اپنی مطلوبہ چیز تلاش کرتے اب کے مسکراتے اونچی آواز میں بولی۔(یہیں تو رکھی تھی یو۔ایس۔پی) چیزوں میں ہاتھ مارتے ھیلر کا دیا آلہ اس کے ہاتھ میں آیا تو فوراً ماسک سے جھانکتی نیلی آنکھیں یاد آئیں۔
اماں کچھ کہہ رہیں تھی۔لیکن ان کی آواز کہیں پسِ منظر میں چلی گئ تھی۔

اس کی کسی بات سے کبھی نہیں لگا تھا کہ وہ چاہتا، لیکن وہ اس کی تکلیف کو بھانپ لیتا تھا۔اور ان کہی بات محسوس کر لیا کرتا تھا۔(ماہ نور کو اس کا اپنا جیکٹ دینا یاد آیا، اپنے پیچھے چلنے کا کہنا)اسکی باتیں،اس کا انداز، اس کا ہر بار ٹکڑانا، وہ بھول نہیں پاتی تھی۔یا وہ اسے بھولنا نہیں چاہتی تھی۔

پی ٹی سی ایل کی چنگارتی آواز نے اسے حال میں لا پٹھا تھا۔رفعت شاید اسے بول بول ہی خود ہی فون اٹھا لیا تھا۔ماہ نور کا دل ہاتھ میں پہنی انگھوٹی کو دیکھ کے بوجھل ہو رہا تھا۔

"جن لوگوں کا ملنا قسمت میں نہیں ہوتا وہ کیوں ہم سے ٹکڑاتے ہیں۔"ناجانے کیوں یہ انگھوٹی کم اور گلے کے گرد کستا ہوا پھندا زیادہ لگ رہی تھی۔

یو-ایس-پی نظر آئی تو بیڈ سے اٹھتے اسے کمپیوٹر کے ساتھ کنیکٹ کرنے لگی آلہ ابھی بھی بائیں ہاتھ میں دبا رکھا تھا۔ذہن ابھی بھی کہیں الجھا ہوا تھا۔

رفعت پی ٹی سی ایل کا وائیر لیس فون اپنے ہاتھ میں لیے کمرے میں آئیں اور اس کی جانب بڑھایا۔ تواس نے نا سمجھی سے تھام لیا۔

"مانو ریحان بیٹے کا فون ہے تم سے بات کرنا چاہتا۔"

"کیا کس کا فون ہے؟۔۔میں۔۔ایسے کیسے۔؟" اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا بولے دماغ بگ سے اڑ گیا تھا۔

رفعت نے ایک زبردست گھوری سے نوازا تھا اور ہاتھ بڑھا کر فون اس کے کان کے ساتھ لگایا اور بولنے کا اشارہ کیا۔

ماہ نور نے بامشکل ہی "اسلام علیکم۔۔!!" بولا۔اس وقت وہ واقعی بات کرنے کے لیے تیار نہیں تھی۔
نہیں مطلب ایسے اتنی اچانک بتائے بغیر کون فون کرتا؟
"وعلیکم السلام..!! کیسی ہیں آپ؟؟ "
"الحمدللہ۔"رفعت اسے بات کرتا دیکھ کر کمرے سے باہر چلیں گئیں۔"آ۔۔۔آپ کیسے ہیں۔؟" ہاتھ میں پکڑے آلے کو شدت سے مٹھی میں بھینچا۔
"میں بھی ٹھیک ہوں۔۔۔میرا آپ سے بات کرنا دل چاہ رہا تھا تو سوچا کال کر لوں، آپ کا موبائل نمبر نہیں تھا تو اس لیے پی ٹی سی ایل پر کال کر لی۔"
"اوہ سنجی۔۔۔ماہ نور بس اتنا ہی بول پائی۔"ذہن آہستہ آہستہ بے دار ہو رہا تھا۔
"میں سوچ رہا کہ ہم کہیں باہر ڈنر وغیرہ۔۔۔۔"
"ریحان میرا شڈیول بہت ٹف ہے۔"اس نے بیچ میں ہی تیزی سے بات کاٹ دی تھی۔
کچھ سیکنڈز کے لیے تو ریحان سڑک پر سیدھ میں دیکھتا رہا، پھر بولا۔۔۔"آپ لوگوں سے اتنا دور کیوں بھگتی ہیں؟"
ماہ نور کی آنکھوں میں ہلکی سے ناگواری ابھری اس نے خود کو کسی احساس کے زیرِ اثر بولتے سنا"میں کسی سے دور نہیں بھاگتی، بس میں کسی کو اپنے قریب نہیں کرنا چاہتی۔"
"جانتا ہوں اس نئے رشتے کو لے کر آپ کے دل میں بہت سارے خدشات ہوں گے۔ماضی میں ہمارے ساتھ ہوئے برے تجربات اورحادثات، ہمیں آگے بڑھنے میں دشواریاں دیتے ہیں،لیکن مجھے

لگتا یہ حادثات اور برے تجربات اچھے وقتوں تک پہنچنے کے لیے بہت ضروری ہوتے ہیں۔اور میرا یقین کریں میں آپ کو بہت خوش رکھوں گا" وہ ناجانے کیوں یقین دلانے لگا تھا۔

ماہ نور قدم قدم چلتی بیڈ کی پائنتی پر آ کر ٹک گئ۔مگر جواب میں کچھ نہیں بولی۔سب بس اک سوچ سی ذہن میں گردش کرنے گی۔"مجھے مکمل خوشیاں نہیں ملتی۔۔۔مل کر ابھی مجھے لگ اک خلش سی ہے۔۔کچھ خالی سا۔۔۔ہاں میرا دل ہے جو خالی ہے۔میں جب بھی اس رشتے کو سوچتی ہوں مجھے "نیلی آنکھیں" یاد آتیں ہیں اور جب مجھے وہ یاد آتیں ہیں تو پھر مجھے کچھ یاد نہیں رہتا"

ریحان کو اس کی ہلکی ہلکی سی سانس لینے کی دھن سی سنائی دے رہی تھی۔اس کا دل چاہا کہ بس سناتا رہے۔

"اوکے اللہ کی امان۔" تھوڑی دیر بعد اس کی نرم سی آواز آئی۔وہ سمبھال چکی تھی۔وہ فون کان سے ہٹانے کی لگی تھی کہ تیزی سے بولا۔

"سنو تو۔۔۔ماہ نور کیا ہم کبھی کبھی کال پر تو بات کر سکتے ہیں نا۔۔۔"

" کبھی کبھی کا مطلب کبھی کبھی۔۔۔اب میں رکھتی ہو۔خدا حافظ۔"

رات قطرہ قطرہ گہری ہوتی جا رہی تھی۔دو لوگ ایک ہی احساس کے زیرِ اثر۔۔۔الگ لوگوں کو سوچ رہے تھے۔

****

دو ہفتے بعد :

یہ لاہور کی ایک بلند و بالا عمارت تھی ، جس کی آٹھویں منزل پر دلاور خان ایک کانفرس روم میں بیٹھا اپنے چند بزنس پارٹنرز کے ساتھ محوگفتگو تھا۔

سربراہی کرسی پر دلاور بیٹھا تھا ، اور لمبی میز کے دونوں اطراف میٹنگ ممبرز براجمان تھے ، اسکے سامنے بیش قیمتی ایپل آئی پیڈ رکھا تھا، جس پر میٹنگ کے اہم نکات درج تھے ، وہ ان پر گاہے بگاہے نظر دوڑاتا پیشہ ورانہ انداز اپنائے بولتا جارہا تھا۔

"اسلام آباد میں جلنے والی فیکٹری سے ہمیں جتنا بھی نقصان اٹھانا پڑا ہے ، ہم اس نقصان کو بڑھنے کی بھرپور کوشش کررہے ہیں"۔

"اور یہاں بیٹھے تمام انویسٹرز ، سپانسرز ، اس بات کا یقین رکھے کہ ہماری کمپنی آپکا نقصان بھرنے کی ہر ممکن طور پہ کوشش کر رہی ہے"۔

"پچھلے پندرہ سالوں سے میں ان انویسٹرز کے ساتھ کام کر رہا ہوں، اور آج تک میری ساکھ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، بڑے بڑے بزنس مینز کے ساتھ میرے معائدے رہ چکے ہیں ، بڑے بڑے پراجیکٹ پر ہماری کمپنی کو کامیابی حاصل ہوئی ہے، میں بزنس کی دنیا کا بے تاج بادشاہ رہا ہوں ،لوگ مجھ پہ یقین رکھتے تھے ، اور فقط چند کروڑ کے نقصان نے میری ساکھ ، میری کامیابی کو گہری ٹھیس پہنچائی ہے ، لوگ مجھ پر اعتماد کرنا چھوڑ رہے ہیں۔کیوں ؟"

" کیا ایک کامیاب بزنس مین کی عزت صرف اسکی کامیابی کے بلبوتے پہ کی جاتی ہے ؟"

وہ نیلے رنگ کا تھری پیس سوٹ پہنے ، بال ماتھے پر ایک طرف کیے ہاتھ میں قیمتی گھڑی پہنے ، ماتھوں پر بلوں کا جال بنائے سامنے بیٹھے افرادز سے جواب طلب کر رہا تھا۔

"میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں"۔وہ ایک بائس سالہ نوجوان تھا جو اپنے مخصوص عربی لہجے میں بولا ،جس کا نام " عمار شیخ تھا" وہ عرب کا ایک امیر ترین انویسٹر تھا، اسنے حال میں ہی پاکستان میں ایک کمپنی سے پارٹنر شب کر کے اس کمپنی پر اپنے پچاس پرسنٹ شئیرز انسویسٹ کیے تھے۔ اور اسے بہترین کامیابی کا سامنا ہوا ، اب اسنے اپنی تیس پرسینٹ شئیرز دلاور کی کمپنی پر انویسٹ کیے تھے۔

"دلاور نے سر کے خم سے اسے بات جاری رکھنے کا اشارہ کیا"۔

اگر آپکی کمپنی نقصان بھرنے کی بھرپور کوشش کر رہی ہے تو ہمیں اسکا عملی مظاہرہ کیوں نہیں دکھایا جارہا پچھلے کئ مہنیوں سے آپکی کمپنی فقط جھوٹے دلاسوں پر اکتفا کررہی ہے"۔عمار شیخ کی بات پر کانفرنس روم میں موجود تمام شخص کی سوالیہ نگاہیں دلاور خان پر مرکوز ہوئیں۔

دلاور خان کی پیشانی پہ بلوں کا اضافہ ہوا ، پہلے پہل تو وہ عمار شیخ کی بات پہ گھبڑایا ، پھر فوراً خود پر قابو پاتے ، اپنی کرسی پیچھے دھکیلتا اٹھ کھڑا ہوا۔

" عمار شیخ اور یہاں موجود تمام افراد کو میں صرف ایک جواب دینا چاہوں گا۔"

"یہ کمپنی میری ہے ، یہاں کا مالک میں ہوں ، یہاں کے قواعط و ضبط میری مرضی کے مطابق بنائے جاتے ہیں ، فیکٹری کے جلنے پر سب سے زیادہ نقصان کا سامنا مجھے کرنا پڑا ہے ، اور میری کمپنی کا پرافٹ ریشو بلندی سے پستی پر آگرا ہے ، بجائے اسکے کے میں اپنی کمپنی پر توجہ دے کر اسے پھر سے اسی مقام پر لاکھڑا کرو ، میں یہاں بیٹھا آپ لوگوں کے نقصان بھر رہا ہوں۔تاکہ لوگ میری کمپنی پر بھروسہ کریں ، اور آپ سب اسے جھوٹے دلاسے سمجھ رہے ہیں ؟ "
ایک تاسف بھری نگاہ اسنے ان سب پر ڈالی۔

"اور دوسری بات یہاں بیٹھے تمام اشخاص نے آنے سے پہلے اپنے موبائلز چیک کیے تھے ؟" اسنے سوالیہ نگاہیں سب پر دوڑائی۔

دلاور کی بات پر سب نے چونک کر ایک دوسرے کی جانب دیکھا پھر نفی میں سر ہلاتے ان سب نے اپنے اپنے موبائل چیک کیے ، جن پر Dilawar khan LTD company) کی جانب سے بینک بیلنس موصول ہوا تھا، یعنی ان تمام انویسٹرز ، سپانسرز کو انکے نقصان کی بھرپائی کردی گئ تھی۔

فضا میں تناو کی سی کیفیت پھیل چکی تھیں۔اب ان تمام چہروں پر شرمندگی کے واضع اثرات دکھائی دے رہے تھے۔

?Any question

اسنے انہیں شرمندہ کرنے کہ لیے استہزایہ انداز اپنایا۔

"ہم معذرت خواہ ہیں۔"عمار شیخ اپنے عربی لہجے میں شرمندگی سے گویا ہوا۔

" میرا ایک سوال ہے"۔ابن قاسم جو اسکی کمپنی کا بہت بڑا سپانسر تھا، اسنے اپنا ایک ہاتھ فضا میں بلند کیا۔

دلاور نے سر کو ہلکی سی جنبش دی گویا اسے بولنے کا اشارہ کیا ہو۔

"لوگ آپکی کمپنی پر اعتبار کرتے ہیں ، تو اب تک پاکستان کے سب سے مشہور بزنس مین کے ساتھ ڈیل کرنے میں آپکی کمپنی کو ناکامی کا سامنا کیوں کرنا پڑا۔"؟

اسکے سوال پر دلاور کے تاثرات پل میں بدلے۔

"?You mean , The M.Industries"

ان میں سے ایک شخص نے ستائشی انداز میں مصطفی انڈسٹریز کا نام لیا تھا۔

ابن قاسم نے اپنا سر تائیدی انداز میں ہلایا۔

"جیسے کے میں نے پہلے بھی آپ سب کو بتایا تھا لوگ مجھ پر اعتبار کرتے تھے "، دلاور نے تھے پر اچھا خاصہ زوردیا، اور رہی بات MI سے معائدہ کرنے کی تو اس معائدے کو میں نے خود پینڈنگ پر ڈال رکھا ہے ،اور بہت جلد میں اس پہ غور کروں گا"۔

"بہتر"۔ابن قاسم یک لفظی جواب دے کر خاموش ہو گیا۔

"اور کوئی سوال ؟" اسنے اپنی گھڑی پہ نظر دوڑاتے ایک آخری بار انسے سوال کرنا چاہا۔

"تمہاری کمپنی کو کون نقصان پہنچانا چاہتا ہے دلاور خان ؟" میٹنگ برخاست ہونے کے آخری مراحل میں بھی کوئی یہ سوال کر بیٹھا تھا۔

" ایک پل کے لیے صرف ایک پل کے لیے دلاور کی آنکھوں کے سامنے اسکا نڈر انداز لہرایا تھا ، پھر اسکے چہرے پر اطمینان کی گہری پرچھائی چھائی، جو کوئی بھی میری کمپنی کو نقصان پہچانے کی کوشش کر رہا تھا ، وہ اپنے انجام تک پہنچ چکا ہے ، مجھے امید ہے وہ اب میرے پیچھے نہیں آئے گا"۔وہ سرشاری سے کہتا مسکرایا تھا۔

وہ یہ نہیں جانتا تھا ، چند پل بعد اسکی ساری سرشاری ہوا ہونے والی تھی۔

سب نے ناسمجھی سے ایک دوسرے کی جانب دیکھا، وہ انکی سوالیہ نگاہوں پر فقط مسکرا کر رہ گیا، اسنے سرشاری سے میٹنگ برخاست کی اور کانفرس روم سے باہر نکلا ، روم کے باہر ہی "شرجیل " دلاور کا خاص چیلا اسکا منتظر تھا، وہ جیسے ہی باہر نکلا وہ اسکے پیچھے پیچھے اپنے قدم بڑھانے لگا۔

"سر اب آپ کیا کرنے والے ہیں ؟" وہ اسکے پیچھے دوڑتا سوال کرنے لگا۔

"تمہیں وہ شخص یاد ہے ؟ جس کی گہری نیلی آنکھیں تھیں وہ رک گیا"۔شرجیل بھی اسکے رکنے پر فوراً رکا۔

وہ لطف لیتی نگاہوں سے شرجیل کو دیکھ رہا تھا۔

شرجیل کے آگے اسکے گھر کا وہ منظر آیا۔جب ھیلر اور مس ایل اسکے گھر میں موجود تھے ، اور وہی گہری نیلی آنکھوں والا مرد بے خوفی سے اس کے چھکے اڑاچکا تھا۔

"کدھر کھو گئے ؟" دلاور نے اسکے آگے چٹکی بجائی۔
وہ جھرجھری لیتا ہوش میں آیا۔

ج۔جی سر ؟

وہ شخص یاد ہے ؟ دلاور نے ناگواری سے اپنا سوال دہرایا۔

"ھیلر ؟ "

"ہاں وہی"۔دلاور مسکرایا تھا۔

"جی یاد ہے"۔وہ اتنا ہی کہہ سکا۔

"وہ لڑکا بے خوفی سے کہتا تھا، کے وہ مجھے وہاں لا کر مارے کا جہاں میں تصور بھی نہیں کر سکتا"۔وہ رکا اسنے ایک قہقہ لگایا۔

"اب دیکھو پچھلے دو ہفتوں سے وہ خود منہ کے بل گرا پڑا ہے"۔

"میرے آدمیوں نے اسے منہ کے بل گرایا ہے، اور جانتے ہو اسے اس حالت میں تصور کر کے میرے اندر تک سرشاری بھیل جاتی ہے"۔وہ آج بے درپے مسکررہا تھا۔

"?Did you really missed me so much DK"

اسکے کانوں میں عقب سے ایک مسکراتی آواز اسکے کانوں میں گونجی۔

اسکے ہونٹ سکڑے ، یہ آواز ، یہ لہجہ ، یہ انداز صرف ایک ہی شخص کا ہوسکتا تھا ، وہ ایک جھٹکے سے پیچھے مڑا۔

جہاں وہ دراز قد نوجوان ، مسکراتی نیلی آنکھیں اس پر مرکوز کیے ، چہرے ہر وہی سیاہ ماسک چڑھائے ، اپنے دونوں ہاتھ جینز کی جیبوں میں اڑسائے ہر شے سے بے نیاز دکھائی دیتا تھا۔

دلاور خان کا جاتا اعتماد پل میں بحال ہوا ، وہ خود کو کمپوز کرتے ، پراعتمادی سے اسکی گہری نیلی اندر تک اترجانے والی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے مسکرایا۔

" میں نے واقعی میں تمہیں بہت مس کیا ، ضدی لڑکے " اسنے دوبارہ اسکے سامنے آجانے پر گہرا طنز کیا تھا۔

"درست پہچانے ہو ڈی کے میں واقعی میں ایک انتہا کا ڈھیٹ اور ضدی آدمی ہوں ، اور ضدی لوگ اتنی آسانی سے اپنی ضد کا پیچھا نہیں چھوڑا کرتے"۔ مسکراتا اور پرسکون لہجا۔

"ضدی لڑکے "۔وہ زیر لب بڑبرایا۔

" کیسے ہو ضدی لڑکے ؟سننے میں آیا تھا کے تمہاری کچھ ہڈیوں کو کسی نے بہت گہرا نقصان پہنچایا ہے
"۔دلاور خان پوری تیاری سے آج مقابل کے سامنے کھڑا تھا، وہ کمزور اور ڈبو سا دلاور کہی سے نہیں
معلوم ہورہا تھا۔

"ماسک کے پیچھے سے اسکے لبوں پر طبسم بکھرا"۔۔

" کسی نے"۔اسنے "کسی" پہ اچھا خاصہ زور دیا۔

" میری ہڈیوں کو گہرا نقصان پہچایا تھا ، اور میں کسی کی کھوپڑی کو گہرا نقصان پہنچانے کا خواہش مند
ہوں ، اور میں بہت بے صبری سے اپنی خوائش پوری کرنے کا منتظر ہوں"۔وہ ہنوز اسی طرح کھڑا ،
بے حد سکون اور بے نیازی سے گویا ہوا۔

اسکی ہٹ دھڑمی پہ دلاور مسکرایا۔

"ضدی لڑکے ، مجھ سے ٹکرانے کا ٹریلر تو تم دیکھ ہی چکے ہو، خود کو میری ذات میں اتنا مت الجھاو
کے اوندھے منہ زمین پر گر پڑو"۔وہ مسکراتی آنکھوں سے بولا۔

"اوہونہہ! میں لوگوں کو انہی کی ذات میں الجھا کہ مات دینے میں ماہر ہوں۔" سینے پر اپنے دونوں ہاتھ باندھے ، پرسکون ٹھہرے اور قدرے بے پرواہی سے کہتا وہ اسکی آنکھوں میں دیکھ کے مسکرایا۔

"کافی اونچے بول ہیں"۔
"کافی اونچے پلانز ہیں"۔
"تم ڈھیٹ ہو"۔
"تم بے وقوف ہو"۔
"تم قابل رحم ہو"۔
"تم قابل موت ہو"۔
وہ پے درپے ایک دوسرے پر طنز کے تیز چلارہے تھے۔

"تم مجھے آسانی سے اپروچ نہیں کرسکتے ضدی لڑکے"۔

"میں تمہیں آسانی سے اپروچ کرچکا ہوں ڈی کے"۔

وہ اسکے آفس پر گہری نظر ڈالتے طنز کرتا نہیں بولا۔

"اب کی بار مجھے نقصان پہنچانا تمہیں یقیناً مہنگا پڑے گا"۔

"مجھے مہنگی چیزیں پسند ہیں"اسکا انداز انتہائی پرسکون اور مقابل کو آگ بگولا کرنے والا تھا،وہ تھوڑا سا اسکے کان کی طرف جھکا۔

"ٹرسٹ می ڈی کے اس بار پہلے سے سو فیصد زیادہ نقصان پہنچاؤں گا"۔وہ کہتے دوبارہ سیدھا ہوا۔

دلاور نے ٹھنڈی سانس فضا میں خارج کی۔

"یعنی تم نہیں رکو گے ؟"دلاور کی آنکھیں سپاٹ ہوئیں۔

" کبھی نہیں"۔اسکی آنکھیں اتنی ہی پرسکون تھیں۔

"بہتر ، مجھ سے کسی قسم کی رعایت کی امید مت رکھنا"۔وہ بے حد سرد لہجے میں گویا۔

وہ اسکی بات پر ایک قدم اسکی جانب بڑھا اسکے بمقابل کھڑا وہ اسکے کان کے قریب تھوڑا سا جھکا۔

"تم سے رعایت مانگی کس نے ہے ،ڈی کے۔"FSD2" وہ اسکے کان میں سرگوشی کرتا ، اسکا کندھا دھیرے سے تھپتھپا کر دو قدم پیچھے ہٹا۔

"دلاور نے FSD2 کے نام پر جھٹکے سے اسکی جانب دیکھا جو مسکراتی آنکھوں سے اسے دیکھتا اپنا دایا ہاتھ فضا میں ہلاتے اسے خداحافظ کہنے لگا"۔

دلاور نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے خبردار کیا۔

اسکی آنکھوں کا مفہوم سمجھتے وہ باآواز بلند بولا۔

!!!! Stop me if you can

"اف خدایا یہ لڑکا"۔اسکے جاتے ہی اسکو شدید الجھن نے آن گھیرا۔

"شرجیل؟ "

شرجیل جو کب سے ہونکوں کی طرح کھڑا سب کچھ دیکھ اور سن رہا تھا ہربڑا کر بولا۔

"ج۔جی باس"۔

"فیصل آباد والی فیکٹری کی سیکیورٹی پچاس گناہ بڑھادو، میں اس بار کسی قسم کی غفلت برداشت نہیں کروں گا"۔وہ اسے حکم دیتا۔
اپنا سیل فون نکالے فون پر ہی کسی کو ہدایات دینے لگا۔

****

چند سال پہلے :
وہ کوئی اندھیر کمرہ تھا تنگ تاریک، روشنی اتنی کم کہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے بھی دیکھو تو نظر نہیں آتا تھا۔نہ کوئی کھڑکی نہ کوئی سراخ اسے اپنا دم گھٹتا محسوس ہوا نہیں بلکہ وہ منہ پے ہاتھ رکھے اپنی آتی سانس کی ہلکی ہلکی آواز کو بھی دبا رہی تھی۔
پھر دور سے قدموں ہی آہٹ سنائی دینے لگی۔آنکھ کے کنارے میں پانی سا بھرنے گا آنکھیں اتنی روز سے میچیں کہ دونوں آنکھوں سے ایک ایک آنسو دونوں گالوں پے لڑکھڑائے وہ کمرے کے کونے میں دیوار کے ساتھ اکڑوں بیٹھی اپنے گھٹنے سینے سے لگائے۔قدموں کے گھسیٹنے کی آہٹ قریب آ رہی تھی۔اس کا جسم پسینے میں شرابور اور بُری طرح کپکپا رہا تھا۔

"دور رہو میرے سے۔"کمرے کا دروازہ کھلا تو وہ قوت سے کپکپاتے جسم کے گرد اپنی چادر کستے سردی سے آپس میں بجتے دانتوں پے قابو پاتے بولی۔ آگے سے ایک جاندار قہقہہ سنائی دیا۔وہ اسکی بے بسی پہ ہنس رہا تھا۔ہچکیاں لیتے وہ تیزی سے اٹھ بیٹھی۔ابھی بھی اس کے وجود کے گرد کالی چادر لپٹی تھی آنکھیں ابھی تک زور سے میچیں ہوئیں تھی۔جیسے وہ کھولے گی تو پھر سے کوئی کمرے کا دروازہ کھول دے گا۔ہچکیاں مزید تیزی سے لینے گی تھی۔رونے سے گلے میں اتنی تکلیف ہو رہی تھی کہ جیسے کانٹے اُگ آئے ہوں۔

گھڑی رات کے تین بجا رہی تھی۔اس خاموشی میں ایک واحد چیز اس کی سسکیاں تھیں جو کمرے میں گھونج رہیں تھی۔قدموں کی آہٹ آئی اور پھر دروازے کے چیڑچڑا کر کھلنے کی آواز آئی۔

"نہیں۔۔۔نہیں پلیز مجھے جانے دو میں نے کچھ نہیں کیا۔"بیڈ سے اتر کر پیچھے کی الٹے قدموں اٹھانے لگی۔

"انوشے میں ہوں ابان۔"وہ کہتے تیزی سے آگے آیا۔انوشے ہی حالت غیر ہو رہی تھی۔"میں نے تمہیں کہا تم جاؤ۔"

"انوشے آپ کی طبیعت نہیں ٹھیک۔"

"تم جاؤ۔"وہ پوری قوت سے دھاڑی۔

"انوشے بات تو سنیں۔"ابان نے اسے بازو سے پکڑ کر سمجھنا چاہا۔

آہہہہہ۔۔۔وہ کراہی۔ابان نے اس کے تاثرات غور سے دیکھے ابھی اس نے ہلکے سے ہاتھ اسے پکڑا تھا۔کیا وہ کچھ اور بھی چھپا رہی تھی؟ اپنا بازو چھڑواتے، ڈر کر پیچھے ہوئی۔

"تم جاؤ۔"اب کی بار لہجا یخ ٹھنڈا، چھبتی ہوئی آنکھوں سے دیکھتے پھر سے بولی۔"یہاں سے چلے جاؤ تمہیں خدا کا واسطہ چلے جاؤ، تم کیوں آتے ہو بار بار میری بے بسی کا تماشا دیکھنے؟" اُس کی آنکھیں میں نمی پھر سے بھر رہی تھی اتنی کہ سامنے کھڑا وہ شخص بھی اسے بلر نظر آ رہا تھا۔

"تم نے ترس کھا کے شادی کر لی ہے۔میرے پے بہت بڑا احسان کیا مزید احسان نہ کرو۔یہ دیکھو میرے ہاتھ (دونوں ہاتھ جوڑے) تم چلے جاؤ ابان مصطفی اس کمرے سے مت آیا کرو۔"اسے لگ رہا تھا مزید نہیں بول پائے گی۔اس کا سانس پھولنے لگا،حلق میں کانٹے سے چھبنے لگے تھے۔آنسو اس کی آنکھوں سے چھلکے۔

"ترس۔احسان۔"وہ زیرِ لب سے الفاظ بڑبڑاتے تیزی سے کمرے سے باہر نکال گیا۔

"وہ اس سے محبت کرتا تھا۔اور وہ اس کی محبت کو ترس اور احسان کا نام دے رہی تھی۔بس اس سے زیادہ وہ توہین نہیں برداشت کر سکتا تھا اپنی محبت کی۔"

انہیں اس فلیٹ میں آئے تیسرا ہفتہ تھا۔یہ فلیٹ دو کمروں ایک ٹی وی لاؤنج چھوٹے سے چکن پر مشتمل تھا۔ٹی لاؤنج سے ایک دروازہ باہر بالکونی میں کھلتا۔یہ فلیٹس شہر کے ایک طرف واقع تھے۔ یہاں ٹریفک کا کوئی شور نہیں تھا۔چھوٹے سے چکور بنے ٹی وی لاؤنج میں دھڑے صوفے پہ وہ آ کے بیٹھ گیا۔اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔کمرے سے ابھی برابر رونے کی آواز آرہی تھی لیکن مدھم مدھم سی پھر کھانسی کرنے کی آواز آئی۔

وہ جھٹکے سے اٹھتے چکن میں بھاگا اور گلاس میں پانی انڈھیلنے لگا اچانک ہی کمرے میں کسی کانچ کے ٹوٹنے کی آواز آئی۔

"انوشے۔۔"گلاس اور پانی کی بولتا اور وہیں سلیپ پر چھوڑے وہ ننگے پیر کمرے کی جانب بھاگا۔کمرے میں آتے ہی نڈھال ہی انوشے پر پڑی جس کے ہاتھ سے پانی کا گلاس چھوٹ کے گرا تھا۔

وہ خود بھی گرنے کو تھی ابان نے جلدی سے سہارا دے کر بیڈ پر ٹیک لگا کر بیٹھایا۔اس بار اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔اس میں اتنی ہمت ہی نہیں تھی کہ وہ مزاحمت کرتی۔

"پا۔۔"ابان اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی چکن کاوئنٹر سے پانی اٹھا لایا اور اسے پلایا۔انوش پر دوبارہ سے ہلکی گنودگی چھانے لگی۔چند منٹ بیڈ اس کے سرہانے کھڑے ہو کر چادر میں لپٹے اس کے وجود کو تکتا رہا۔وہ ابھی بھی تکلیف میں تھی تکلیف کہاں ہو رہی تھی وہ بتاتی ہی نہیں تھی۔پچھلے تین ہفتوں میں وہ کئ بار کہ چکا تھا کہ ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں لیکن وہ اس کی ایک بھی بات سننے سے انکاری تھی۔اول تو وہ اس پے بھروسہ ہی نہیں کرتی تھی۔آج تو اس نے اس کی محبت کو بھی احسان اور ترس کا نام دے دیا۔۔(ابان نے ایک گہری سانس اندر کو کھینچی) دوم اسے اس کا وجود تک کمرے میں برداشت نہیں ہوتا۔وہ آتا تو یا تو غصہ کرنے لگتی۔اگر ڈاکٹر پہ جانے کی بات کرتا انکار کرتے اس کے منہ پہ دروازہ بند کر دیا کرتی۔

کمرے میں بکھرے کانچ کو اٹھاتے اس لگا تھا کہ وہ اپنے دل میں ٹوٹی کرچیوں کو سمیٹ رہا۔تین ہفتے پہلے کہاں وہ ایک شہزادوں کی سی زندگی گزار رہا تھا۔اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ زندگی اس کو اس دوراہے پہ لا کھڑا کرے گی۔زندگی میں پہلے بھی اپنے چھوٹے چھوٹے فیصلے وہ لیتا آیا تھا لیکن اس بار اس نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ خود ہی لیا تھا۔ماں باپ کے اس کو لے کر کتنے ارمان

تھے اس سوچے بغیر اس نے شادی کر لی۔اور پھر یہ بھی سوچا تھا کہ وہ اس کی بیوی کو قبول کر لیں گے۔

خیر وہ جب سے یہاں آیا۔دو ہفتے سے ایک گراسری اسٹور پے نوکری مل گی تھی۔اور ایک وقت کا کھانا بھی مل جاتا تھا۔چند دونوں کے لیے اتفاق سے ان کا ایک ملازم شہر سے باہر تھا۔چند ہفتوں کے لیے ان کے اسے رکھ لیا۔تنخواہ اچھی تھی۔وہ صبح اٹھ کر فریش ہونے کے بعد ہلکا پھلکا ناشتہ بناتا انوشے کو اس کے کمرے میں ہی دے دیتا اکثر وہ سو رہی ہوتی تو پاس سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیتا۔خود کرتا اور پھر اپارٹمنٹ سے چلا جاتا۔

انوشے کو بس اکثر کچھ دونوں بعد سوتے میں برے خواب آیا کرتے پھر وہ یونہی نڈھال سی ہو کر اکثر بے ہوش ہو جاتی اور کبھی کبھار گنودگی میں چلی جاتی۔

آج کل وہ گراسری اسٹور سے فارغ ہو کر نئ نوکری بھی ڈھونڈ رہا تھا۔تاکہ یہاں سے نوکری ختم ہونے کے بعد اسے یہاں سے اچھی جاب مل جائے وہ انوشے کو اچھے کپڑے دلوا سکے۔

"اونچے خواب وہ بچپن سے دیکھنے کا عادی تھا۔وہ اپنی ہر چیز سے دستبردار ہو گیا تھا، لیکن وہ اپنے خوابوں سے دستبردار نہیں ہو سکتا تھا انہیں اسے ہی پورا کرنا تھا۔"

صبح ہورہی تھی۔اب وہ لاؤنج کے صوفے پہ نیم دراز ٹانگوں پہ کمبل لیے لیٹا انوشے کے بند کمرے کے دروازے کو دیکھتے اپنا آگلا لائحہ عمل تیار کر رہا تھا۔یہ نوکری چند دونوں بعد ختم ہو جانی تھی پھر اس کے بعد وہ کیا کرے نئ نوکری نا جانے کب ملے۔

صبح میں وہ پھر سے کام پر چل گیا آج اسے اپنے اتنی دونوں کی محنت کی تنخواہ مل گئی۔وہ پر سکون نظر آ رہا تھا۔آج گراسری اسٹور کے مالک نے جلد ہی بند کر دیا تھا اسٹور اس لیے آج وہ راستے سے چند پھل اور ضروری کچن کا سامان لیتے جلدی ہی آ گیا۔

کچن میں سامان رکھتے۔فریش ہونے کے لیے چلا گیا واپس آتے شدید بھوک کا احساس ہو رہا تھا۔دو کپ کافی بنائی اورچند اسنیکس ٹرے میں رکھتے اس نے انوشے کے بند کمرے کا دروازہ ناک کر کے چند سیکنڈز انتظار کیا کوئی جواب نا آیا تو اس نے دروازہ کھولا کمرے میں اندھیرا تھا اور کرٹنز بھی آگے گرائے وہ آنکھوں کو بازو سے چھپائے سو رہی تھی۔(ایسا اسے لگا تھا)

ایک ہاتھ میں ٹرے لیتے کمرے کی لائٹس آن کیں اور آہستہ سے اسے آواز دی۔

انوشے نے آہستگی سے آنکھوں سے بازو ہٹائے اور اسے دیکھا جو ایک صوفے سے وسط میں ٹرے رکھتے کہہ رہا تھا۔"مجھے بھوک لگی تھی اپنے لیے کافی اور سینکس بنا رہا تھا سوچا آپ کے لیے بھی بنا لوں۔آپ کھا لیجئے گا۔"اب وہ اپنا کافی کا مگ اور سنیکس کی پلیٹ اٹھاتے باہر جانے کے لیے مڑنے لگا۔تو انوشے کی آہستہ سی آواز آئی۔

"ابان۔"وہ ٹھہرا پھر مڑا اور انوشے کو دیکھا اس کے چہرے پے تکلیف کے اثر واضح تھے۔

"آپ ٹھیک ہیں؟ کیا ہوا انوشے ؟ ہاں؟" کافی کے مگ اور ہاتھ میں پکڑی پلیٹ کو سنگھار میز پے رکھتے اس کے پاس آیا۔

انوشے نے اٹھتے بیڈ کی پائنتی کے ساتھ ٹیک لگائی۔نا چاہتے ہوئے بھی اس کی آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔وہ اس کے پاؤں والی سائیڈ پے کھڑا بے چین سا اس کے بولنے کا انتظار کرتا رہا۔

"آپ کو درد ہو رہا کہیں؟" چند منٹ جب وہ کچھ نا بولی تو قریب آتے پوچھا۔

انوشے نے اسے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔وہ وہی اس کے پاس بیٹھا۔"کیا بات ہے، کہاں درد ہو رہا؟؟"

انوشے نے روز سے آنکھیں میچیں تو آنسو ٹوٹ کے گرے۔

"مت کریں یار۔۔۔کیوں کرتیں ہیں ایسے (اس کا اشارہ آنسوؤں کی جانب تھا) آپ کو ترس نہیں آتا میرے پے؟ آپ کو اندازہ ہے مجھے کتنی تکلیف ہوتی ہے آپ کے رونے سے۔"

"ابان۔"آنسو صاف کرتے وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔اور آہستہ سے اپنے بازو چدر سے باہر نکالے، آستین اوپر کیے۔

ابان کے گلے میں گلٹی ابھر کے معدوم ہوئی۔وہ سانس روکے اسے دیکھ رہا تھا۔اس کے بازو پے نیل ڈلے تھے جو اب مدھم مدھم سے ہلکے نیلے اور جامنی تھے۔چند جگہ پے خراشیں جو کہ ناخنوں کے مٹے مٹے سے نشان۔جیسے کسی نے بے دردی سے نوچا ہو۔اس نے چدر کو مزید ہٹایا تو گردن پے بھی ایسے ہی نشان تھے۔

ابان کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھی۔وہ کیوں اسے ان بھیڑیوں سے بچا نا سکا، وہ اسے پہلے کیوں نا ملی۔

انوشے کی ہچکی پھر سے گھونجی۔آگے ہوتے اس نے ابان کے بازو پہ ہاتھ رکھتے اس کے کندھے پر سر ٹکایا بے آواز رونے لگی۔ابان کے ہاتھ یونہی گود میں دھرے تھے۔سامنے کافی کے مگ سے بھاپ اڑ رہی تھی۔

ابان نے ایک ہاتھ سے اس کے بالوں کو ہلکے سے سہلانے لگا تو انوشے کے رونے میں شدت آئی بازو کو یونہی حصار میں لیے اس نے کندھے سے سر اٹھایا اور ہچکی لیتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے بولی۔

"تمہیں پتا اس نے میرے بال یہاں سے پکڑے تھے۔"(سر کے وسط میں ہاتھ رکھا) "یہاں بھی درد ہوتا بہت زور سے۔"ابان نے ہاتھ کی مٹھی زور سے بھینچی۔

"میں سب کو چن چن کے ماروں گا جس نے آپکو تکلیف پہنچائی ہے۔"وہ ضبط کرتے بولا۔"ابھی کے لیے انوشے میرے ساتھ ڈاکٹر پے چلو نا۔"وہ امید سے اس کی جانب دیکھتے بولا جیسے وہ مان جائے گی۔

"تمہیں کسی کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے، اور مجھے کہیں نہیں جانا."یہ ٹوٹ گیا تھا حصار۔وہ پیچھے کو کے بیٹھی۔آنکھوں میں تاثر تبدیل ہوا دوسری جانب چہرہ موڑتے اب سرد مہری سے بولی۔

"تم۔۔۔تم جاؤ یہاں سے" اسے افسوس ہو رہا تھا کہ کمزور بن کے اس نے کیوں اپنے زخم اسے دیکھائے۔

"تم جا کیوں نہیں رہے۔"اسے یونہی بیٹھا دیکھ کے بگڑی۔

"جا رہا ہوں۔"کافی کا مگ اٹھا۔اور ہاں یاد آنے پے واپس مڑا۔"کل میں ایک ضروری کام سے جانا ہو سکتا ایک دو دن اپارٹمنٹ میں نا آ سکوں۔"

انوشے کے چہرے پے ایک سایہ آ کر گزا، وہ ایک دو دن اکیلی کیسے رہ سکتی تھی۔؟ چہرے کو سپاٹ کیے وہ دوسرے جانب کمرے میں گرے پردوں کو دیکھتے یہی تاثر دے رہی تھی کہ اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔وہ کچھ دیر مزید کھڑا اسے بتاتا رہا کہ وہ اپارٹمنٹ تبدیل کرنے کا سوچ رہا۔جہاں وہ کام کر

رہا وہ آج اُسے ایک جگہوں کے بارے میں بتایا جہاں جاب کے لیے ورکرز چاہیے۔وہ جگہ اسلام آباد میں ہے۔(اس وقت وہ لاہور رہ رہے تھے) جہاں اسے ایک دو دن لگ جائیں گے امید ہے اسے جاب مل جائے گی۔اور وہ سوچ رہا کہ وہیں آس پاس ہی اپارٹمنٹ بھی دیکھ لے تاکہ وہیں پے شفٹ ہو جائیں۔کچھ باتیں مزید بنا کے وہ کمرے سے چل گیا۔

اس کے جانے کے بعد وہ یونہی کمرے کے بند دروازے کو تکتی رہی جیسے وہ بند کر کے گیا تھا۔"آج پہلی بار اسے ابان کا کمرے سے جانا برا لگا تھا۔کمرے سے جانا یا دو دن کے لیے اپارٹمنٹ نا آنا۔اسے زیادہ کیا برا لگا تھا؟؟؟ فیصلہ کرنا کرنا مشکل تھا۔"

جس دن سے وہ اسے یہاں لایا تھا۔اُس دن کے بعد وہ کمرے سے باہر نہیں گئ۔جب وہ صبح اٹھتی تو ناشتہ کمرے میں موجود ہوتا کمرے کے کونے میں مینی سائز روم فریج بھی تھا۔جس میں ابان جوس، چاکلیٹ اور ناجانے کیا کچھ لا کر رکھتا پھر اسے کھانے کی تاکید بھی کرتا۔اتنا خیال رکھتا دیکھ کر وہ اکثر چڑ جایا کرتی اور اسے کمرے سے جانے کا بول دیتی۔اسے بھیجنے کے بعد بھی دل بوجھل سا ہوتا۔اپنا گھر بھائی، ماما بابا نا جانے کیا کچھ یاد آنے لگتا۔آنکھیں برسنے لگتی۔بے بسی ہی بے بسی تھی نا جانے وہ سب اب کہاں ہوں گے؟؟ انہیں میں یاد بھی آتی ہوں گی؟ ان نے مجھے ڈھونڈا بھی ہو گا کہ نہیں؟؟ جب یاد کی بات آتی تو وہ تلخی اس کے خلق تک گھل جاتی۔ساری غلطی بھائی کی تھی وہ اس دن مجھے لینے آ جاتا تو آج میں جس حالت میں ہوں میں کبھی نہیں ہوتی، میری اس حالت کا ذمے دار وہی ہے۔وہی مجرم ہے میرا۔پورا دن سوچنے کے لیے اس کے پاس سوچوں کے لا متناہی سلسلہ سا تھا۔ایک کے بعد ایک سوچ، کبھی نا ختم ہونے والی سوچیں۔کبھی کبھی اسے لگتا کہ وہ پاگل ہو رہی ہے یا

وہ پاگل ہو جائے گی۔جب سوچ سوچ کے تھک جاتی تو کمرے کے دروازے کے ساتھ ٹیک لگا کے ٹھنڈے فرش پے آلتی پالتی مارے بیٹھ جاتی اور خاموشی سے گھڑی کی ٹک ٹک سننے لگتی۔پھر اپارٹمنٹ کا دروازہ کھلنے کی آواز آتی پھر قدموں کی آہٹ۔

"ایک وہ قدموں کی آہٹ تھی جس سے وہ سہم جاتی تھی۔ایک یہ قدم کی آہٹ تھی۔جیسے وہ دروازے کے ساتھ کان لگائے آنکھیں موندے کانوں کے رستے دل میں محفوظ کیا کرتی تھی۔"

ان قدموں کی آہٹ اس کے اندر کہیں بہت دور خوشی کی لہر بھرا کرتے تھے۔صبح وہ چل جائے گا۔ اسے غصہ آ رہا تھا۔پوری رات یونہی کبھی صوفے پر بیٹھتے، کبھی بیڈ پر، کبھی ٹہلتے گزری۔

وہ ایسے کیسے اسے اکیلے چھوڑ کر جا رہا تھا؟؟ ایک بار بھی ساتھ چلنے کا نہیں بولا؟؟ مجھ سے ایک بار پوچھتا تو سہی میں اکیلی رہنا چاہتی ہوں کہ نہیں؟ اتنے ہفتوں میں آج پہلی بار انوشے کو اس پر غصہ آ رہا تھا، پہلی بار ہی تو وہ کہہ کر گیا تھا دو دن کمرے میں نہیں آئے گا۔

افففف کیسے کہے اسے کہ اسے تنہائی سے خوف آتا۔وہ اسے تنہا نا چھوڑ کر جائے۔کہیں وہ اسے یہاں اکیلا چھوڑ کر بھاگ تو نہیں رہا؟؟ ہاں وہ ایسا ہی کر رہا وہ میرے ساتھ۔(تلخی سے سر جھٹکا)۔۔۔نہیں ایسی لڑکی کے ساتھ رہنا کیوں پسند کرے گا۔نا جانے کیا سوچنے لگی۔اپنا دم گھٹا محسوس ہوا۔کھڑکیوں سے پردے ہٹائے گہرے سانس لیے باہر صبح کی سفیدی پھیل رہی تھی۔۔ہہہہ کیا ساری رات گزر گئی؟؟ وہیں صوفے پر بیٹھ کر سر ہاتھوں میں تھام لیا۔بڑی مشکل سے خود کا سمجھاتے واش روم میں گئ فرش ہو کر باہر نکلی۔خود کو دوبارہ سے چادر میں ڈھانپنا۔

دروازہ ناک ہوا تو جلدی سے بیڈ سے بستر ٹھیک کرنے لگی اندر آنے کی اجازت دیئے بغیر۔دو منٹ کے انتظار کے بعد وہ اختیاط سے دروازہ کھولتے اندر آنے لگا پھر اچانک تاثرات بدلے آج وہ اٹھی ہوئی تھی۔اوراپنا بستر بنا رہی تھی۔

"گڈ مارننگ مسسز۔"وہ خوشگوار موڈ میں لگ رہا تھا۔اس کے آتے ہی ذہن میں جتنے وسوسے تھے سب نکل گئے۔اسے کیسے چھوڑ کے جا سکتا۔وہ نہیں جائے گا اس نے دل کو تسلی دی۔انوشے نے اسے کوئی جواب نہیں دیا ایسے ہی سپاٹ چہرہ سے اب بیڈ پر تکیے ٹھیک کر رہی تھی۔

اس کا ناشتہ صوفے کے ساتھ کونے پر پڑی میز پر رکھا۔اور مزید کوئی بات کیے واپس مڑ گیا۔کمرے کا دروازہ یونہی کھلا چھوڑا تھا آج پہلی بار انوش کی نظر سامنے لاؤنج میں گئی جہاں صوفے پر بلینکٹ پڑا تھا جیسے ابھی تک تہہ ہی نہیں کیا تھا۔سامنے ٹیبل پر تین کپ ، ایک ریل اُس پر۔۔۔پھر قدموں کی آہٹ سنائی دی تو جلدی سے بے مقصد ہی سائیڈ ٹیبل دراز کھول کر چیزیں یہاں وہاں کرنے لگی۔

"آج میں آپ کے ساتھ یہاں پر ناشتا کر سکتا ہوں؟" صوفے پر پر اپنی ٹرے رکھی جس کے ایک طرف دوائیوں کا شاپر بھی تھا۔

انوشے نے اسے دیکھا بھینچے ہوئے ہونٹ، گہری آنکھیں، زخمی دل (بابا سائیں میں بی جان اور آپ کے بغیر کیسے رہوں گا۔؟) ایک دم سے انوشے کو اس کی ماں کی آخری ہچکی یاد آئی۔ کتنی ظالم ہوں نا میں ایک ماں سے اُس کا بیٹا چھین لیا، ایک باپ سے اُس کی گدی کا جانشین چھین لیا۔

وہ اپنی کافی اٹھاتے غور سے انوشے کے چہرے کے اتار چڑھاؤ تک رہا تھا۔جو اسے ہی دیکھتی گہری سوچ میں تھی۔

"لگتا آج زیادہ ہنڈسم لگ رہا ہوں ہینا؟" انوشے اچانک چونکی جلدی ہی خود کو کمپوز کرتے۔اپنی ناشتے کی ٹرے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھتے وہیں بیڈ پر بیٹھتے بے دلی سے بریڈ پر جیم لگانے لگی۔

"ظالم کو کیا بتاتی آج مہرون شرٹ اور بلیک سٹریٹ پینڈ میں لگ بھی بلا کا ہینڈسم رہا تھا" اس لیے مکمل نظرانداز کیے ہوئی تھی۔

انوشے بلیک کلر میں زیادہ اچھا لگتا ہوں یا مہرون میں؟؟ اس نے پھر سے سلسلہ کلام جوڑا۔

اب کی بار انوشے ایک کاٹ دار نظر اس پر ڈالی۔

"اوکے اوکے میں سمجھ گیا دونوں میں بلا کا ہینڈسم لگتا ہوں۔" دونوں ہاتھ اٹھاتے ختمیہ انداز میں بولا۔

انوشے کا بے اختیار قہقہہ چھوٹنے ہی والا تھا کہ وہ جلدی سے جوس کا گلاس لبوں سے لگا گئ۔

اس کے بعد اس نے کوئی بات نہیں کی ناشتہ ختم کرتے اس کے کمرے کی سنگھار میز کے سامنے کھڑا بالوں کو سیٹ کرنے لگا۔"خود پسندی کی بھی انتہا ہوتی ہے۔لیکن ابان مصطفی کو کیا پتا وہ کیا ہوتی ہے۔ہونہو"اسے کب سے شیشے کے آگے کھڑا دیکھ کر دل میں سوچ رہی تھی۔

ادھر انوشے نے ناشتا ختم کیا۔ادھر ابان نے اپنی ٹرے میں رکھا دوائیوں کا شاپر کھولا اور اس کے سامنے لایا۔

"یہ لیں۔"انوشے نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

میری ایک جاننے والی ڈاکٹر سے کچھ ریکمنڈیشن لے کر یہ کچھ میڈیسن لایا ہوں۔کھڑا اسے بتا رہا تھا یہ زخموں پر لگانے کے لیے آئیٹمینٹ ہے۔یہ درد کے لیے ہے یہ مرحم ہے گردن پر بائیں جانب (زرا

ٹھہرا) تھوڑا گہرا زخم ہے یہ مرحم وہاں لگانا۔انوشے خالی نظروں سے اسے دیکھتے ساری باتیں سنتی رہی۔

"آ۔۔۔آپ یہ استعمال کر لیں گی نا؟" امید اور نا امیدی کی کشمکش میں کہیں خود کو محسوس کرتے الفاظ ٹھہر ٹھہر کر ادا کرتا رہا۔

کچھ دیر خالی نظروں سے وہ بیڈ پر پڑی میڈیسنز کو دیکھتی رہی اور اس کی طرف دیکھتے نم آنکھوں سے اثبات میں سر ہلا گئی۔

جواب میں اس نے ابان کے چہرے پر نرم سی مسکراہٹ آتی دیکھی۔مسکراہٹ کا انداز شکریہ کا سا تھا۔آہ اگر اسے یہ سب پہلے پتا ہوتا کہ بس وہ ڈاکٹر کے پاس جانے سے کترا رہی تھی۔میڈیسن وہ کھا لے گی تو اتنے دن وہ انتظار ہی نا کرتا کب کی میڈیسن لا چکا ہوتا۔

اس نے گلاس میں پانی انڈھلتے ناشتے کے ٹائم کی میڈیسن نکال کے نگلی۔

ابان پاس ہی بازو سینے پر بھاندے کھڑا دیکھتا رہا۔مرحم جو زخموں پر لگانے کے لیے دی تھی انوشے نے لگانے کے لیے اٹھائی ایک نظر اسے دیکھا۔

ابان کو لگا وہ ایسے سامنے لگانے سے ہچکچا رہی ہے۔میں یہ برتن رکھ دوں واپس صوفے کے پاس اور گیا اور جھک کر کافی کا مگ ،جیم اور پلیٹ ٹرے میں رکھی ابھی اٹھانے ہی لگا تو انوشے آہستہ سا بولی۔

"کہاں جا رہے ہو تم۔میرے زخموں پر مرحم کون رکھے گا؟" انداز سوالیہ تھا آواز میں لرزش اور نمی تھی۔

ابان ٹرے کو اٹھاتے جھکا ہوا ساکت ہوا۔ آنکھیں بند کیں۔وہ سمجھ رہا تھا کہ اور اس کی موجودگی سے ہچکچا رہی ہے۔اس نے سوچا بھی کیسے کہ وہ اس کی موجودگی سے ہچکچا سکتی ہے۔
آنکھیں کھولتے اُس کی جانب مڑا جواب دیئے بغیر ہاتھ سے مرحم لیا اور پنجوں کے بل اسکے سامنے بیٹھا۔انوشے نے بازوؤں سے چادر ہٹائی۔سانس روکے اسے زخموں پر مرحم لگاتے دیکھ رہی تھی۔نچلے ہونٹ کا نکارہ دانتوں میں دبائے سانس روکے مرحم لگا رہا تھا۔جیسے بہت تکلیف میں ضبط کیا ہوا ہو۔
مرحم لگاتے وہ اٹھا انوشے کی جانب دیکھے بغیر کمرے سے باہر نکل گیا۔دروازہ بند ہوتے ہی ایک دبی دبی سی سسکی نکلی۔ابھی تک اس کے انگلی کے پوروں کا لمس زخموں پر محسوس ہو رہا تھا۔اسے محسوس کرتے ہی بیڈ کرون سے ٹیک لگا گئ۔

ان گنت تھے مرے زخمِ دل

ٹوٹی کرنوں،بکھرے ہوئے زرد پتوں،برستی ہوئی بوندوں کی طرح

اور مرہم بھی ناپید تھا

لیکن اس روز دیکھا جو طفلِ نوزائیدہ خندہ زیرِلب

زخمِ دل مندمل ہو گئے سب کے سب!!

اس کے کمرے سے جانے کے ایک آدھے گھنٹے بعد اسے اپارٹمنٹ کا دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔ کام پر جا چکا تھا۔ایسے ہی بیٹھے بیٹھے اس کی دوبارہ آنکھ لگ گئی دوبارہ آنکھ کھلی تو سامنے لگی گھڑی

چار بجا رہی تھی۔افففف وہ اتنی دیر سوتی رہی تھی اسے اندازہ ہی نہیں ہوا منہ ہاتھ دھوکر واپس آئی تو کمرے کے باہر سے آواز آئی۔

"ابان تو کام پر جا چکا تھا پھر یہ باہر۔۔۔باہر کون تھا؟ "

چند لمحے یونہی سرکے اب کوئی آواز نہیں آئی وہ آہستہ سے ننگے پاؤں چلتے دروازے تک آئی اور ہینڈل پہ ہاتھ رکھے دروازے میں دو انچ کی درز پیدا ہوئی باہر لاؤنج کا منظر واضح ہوا۔

چھوٹا سا چکور شکل کا لاؤنج جہاں ایک صوفہ کے کونے میں بلینکٹ تہہ ہوا اور ایک ٹریولنگ بیگ بھی دھرا تھا۔سامنے میز پر ایک موبائل فون، تین کپ ایک ریل جس پر قرآن مجید پڑا تھا۔

ٹیبل سے نظریں پھسلتی دوسرے کونے میں ایک جگہ ساکت ہوئیں۔وہ۔۔۔وہ مسئلہ پر بیٹھے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہوئے تھا یہاں سے اس کی پشت اور بایاں کندھے سے گھل زرا سا نظر آتا۔

"یہ وہ پہلی مرتبہ تھی جب اس نے ابان مصطفی کو نماز پڑھتے دیکھا۔یہ وہ پہلی مرتبہ تھا کہ اسی لمحے انوشے کے دل میں اس پہلو میں نماز پڑھنے کی خواہش جاگی تھی"

انوشے وہیں دروازے کے ساتھ بیٹھتی چلی گئ دیوار کے ساتھ سر ٹکائے اسے دعا مانگتے دیکھنے لگی۔جب وہ مسئلہ تہہ کرنے گا تو انوشے نے دروازہ بند کر دیا۔

ایک لمبی سانس خارج کی۔۔۔"تو وہ جا رہا تھا۔" دیوار کے ساتھ ٹیک لگاتے آنکھیں موندیں۔ذہن میں سوچوں ہی بھرنے لگیں۔دل بھوجل سا ہونے لگا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد دروازہ ناک ہوا تب تک وہ بظاہر تو سمبھال چکی تھی لیکن دل ضد کر رہا تھا کہ روک لو اسے یا ساتھ چلی جاؤ۔لیکن زبان پر تالے پڑے تھے۔وہ مصروف سا موبائل دیکھتے اندر آیا

تھا ساتھ ساتھ موبائل پر کچھ ٹائپ کرنے کی آواز بھی آرہی تھی۔موبائل کو پینٹ کی جیب میں ڈالتے اسکی جانب متوجہ ہوا۔جو بیڈ کے ایک کنارے پر بیٹھی بیڈ کی چادر پر لکیریں کھینچ رہی تھی۔

"یہ رکھ لو انوشے۔"ایک دوسرا موبائل ایک کی جانب بڑھایا۔لیکن انوشے ہونہوز لکیریں کھینچتی رہی۔

ابان موبائل سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔

ابھی پندرہ منٹ ہیں میرے نکلنے میں ہاتھ پہ پہنی گھڑی سے ٹائم دیکھتے۔(فون کی جانب اشارہ کیا) اسے پاس ہی رکھنا رابطہ میں رہوں گا۔نمبر میں نے سیو کر دیا اس میں اپنا۔دو دن میں واپس آ جاؤ گا پوری کوشش ہے میری۔

اس کے سامنے بیٹھا تو انوشے رُخ پھیرے نظریں دیوار پے ٹکا دیں۔

"انوشے بس ایک نظر دیکھ لیں نا مجھے، میں مطمئن ہو جاؤ گا۔"اس کی آواز میں بے چینی اور تڑپ کی ملاوٹ محسوس ہوئی۔

انوشے خود پر ضبط کیے سامنے کو دیکھتے رہی۔اسے پتا تھا اگر وہ اسے دیکھ لیتی تو رو دیتی اور اس کا جانا بھی مشکل ہو جاتا۔

آخر کو اس کے بھی کچھ خواب تھے جنہیں پورا کرنے کے لیے کوششیں کر رہا تھا۔پہلے ہی وہ کافی کچھ چھین چکی تھی۔اب مزید اس کے خوابوں کے راستے میں نہیں آئے گی۔بس وہ سوچ چکی تھی۔

وہ ایسے ہی بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا اور وہ دانت پہ دانت جمائے سیدھ میں دیکھتی رہی۔گھڑی پہ وقت دیکھا تو پانچ منٹ رکھ گئے تھے۔آہستہ سے جھکا اور اس کے کندھے پر بوسہ دیا اپنا خیال رکھنا اور پھر

اٹھ کھڑا ہوا۔انوشے کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی۔گود میں دھرے ہاتھ مٹھیوں کی شکل میں بھینچے لیکن پھر بھی ضبط کیے سیدھ میں دیکھتی رہی۔

!!Anoushay I'll Miss You

الٹے قدم اٹھاتے کہتے ہی ایک نظر اسے دیکھتے واپس مڑ گیا۔

انوشے نے بے اختیار اس کی پشت دیکھی اس کی آواز نا جانے کیوں آخر میں نم لگی تھی۔

"ایک نظر دیکھنے کی ہی تو خواہش کی تھی اس نے وہ بھی پوری نہیں کی"

ابان آئی ایم سوری۔تم اتنا کچھ کرتے ہو۔میں اتنا بھی نہیں کر سکی۔گلے میں آنسوؤں کے گولے کو نیچے اتارا۔

اور اٹھ کر کھلے دروازے تک گی جہاں لاؤنج میں وہ بیگ اٹھا رہا تھا انوشے کی جانب پشت تھی جب ہی وہ مڑا اس نے دروازہ بند کر دیا۔آنکھوں میں سیلاب کا ریلا آیا تھا۔اگر اب بھی ضبط کرتی تو شاید دل ہی پھٹ جاتا۔دوسری جانب کھڑا بند دروازے کو دیکھ کر آسودگی سے مسکرایا تھا۔

عجب انداز ہے یہ ان کا

جب نظر میں ہم ہوں تو نظرانداز کر جاتے ہیں۔

جب دور ہوں تو نظروں میں رکھنا چاہتے ہیں۔

(از قلم کشف)

بیگ اٹھاتا ایک نظر بند دروازے کو دیکھتا چل دیا۔

\-

جس ٹرانسپورٹ سے وہ گیا تھا راستے میں مسافروں کو اتارتے نئے مسافر بیٹھاتے کافی وقت لگ گیا۔
ڈھائی گھنٹے کا سفر اس نے ساڈھے تین گھنٹے میں تہہ کیا۔گھر سے وہ چھے بجے نکلا تھا۔گاڑی وہاں سے
ساتھ بجے چلی۔اس وقت ساڈھے دس بجے وہ اسلام آباد پہنچا تھا۔

ہوٹل کا کمرے پہلے سے ہی اس نے بک کروا دیا تھا وہ سیدھا ہوٹل آیا سامان رکھ کے فریش ہونے
گیا فریش ہو کے واپس آیا تو بھوک کے برا حال تھا۔صبح کا بس ناشتا کیا ہوا ابھی تک کچھ نہیں کھایا
تھا۔والٹ لیتے وہ سیدھا ہوٹل سے باہر آ گیا۔

وہ ایک مصروف سی سڑک تھی۔آس پاس بہت سے ریسٹورینٹ ، سٹالز تھے لیکن وہ بائیس سال کا
نوجوان جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ہر شے سے بے نیاز فٹ پاتھ پہ سنیجدہ سا سیدھ میں دیکھتے
چلتا جا رہا تھا۔پندرہ منٹ چلتے رہنے کے بعد ایک ڈھابے نظر آیا۔وہاں پر رش نا ہونے کے برابر تھا۔
اس نے قدرے آغاز والی ٹیبل کا انتخاب کیا۔ویٹر کو آڈر لکھوا کے پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا تو یاد
آیا کہ وہ موبائل فون کمرے میں ہی بھول گیا۔خیز کوئی نہیں واپس جا کے انوشے کو کال کر لے گا۔

"کیا کہانیوں کے رخ ایسے ہی مڑ جایا کرتے ہیں؟ کبھی جو سوچا بھی نا ہو، جو گمان میں بھی نا ہو اور وہ
ہو جائے۔کیا اِسے ہی زندگی کہتے ہیں؟ " آسمان پے بیچھی تاروں کی چادر کو تکتے وہ سوچ رہا تھا۔

"کیا کوئی اتنی جلدی جان سے پیارا ہو سکتا کہ آپ اس کے لیے سب چھوڑ دیں؟(انوشے کی یاد آئی)
گہری سانس لی۔۔۔اور کیا کوئی جان سے پیارا بھی چھوڑ سکتا؟؟(بابا سائیں اور بی جان کی شدت سے
یاد آئی)

ویٹر نے آرڈر سرو کیا تو وہ چونکا۔کھانے کے بعد بل پے کرتے سیدھا ہوٹل آیا آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔بیڈ سائیڈ ٹیبل سے موبائل اٹھاتے کمرے میں پڑی کرسی پر آ بیٹھا تاکہ انوشے کو کال کرے۔۔۔افففف مگر یہ کیا موبائل کی بیٹری ہی ڈیڈ ہو چکی۔گھڑی پر ٹائم دیکھا تو 12:00 بجا رہی تھی عموماً وہ اس وقت جاگ رہی ہوتی۔جلدی سے اٹھ کر اپنا سامان والا بیگ کھولا تو اوپر ہی چارجر رکھا تھا موبائل کو چارجنگ پر لگایا اور خود بھی وہیں پاس ہی بیڈ پر نیم دراز ہو کر ٹانگوں پر کمبل ڈالے موبائل آن ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

صبح اسے انٹرویو کے لیے بھی جانا تھا۔پتا نہیں اب جاب ملے گی بھی کہ نہیں۔ابھی تک تو اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ جاب ہے کس نوعیت کی بس اسے سرسری سا ایک مال کے بارے میں بتایا گیا تھا کہ وہاں جانا اور پھر اسے آگے کا لائحہ عمل بتا دیا جائے گا۔خیر اللہ بہتر کرے گا۔

گھڑی پر دوبارہ سے نظر پڑی تو سوئیاں پیچھے کی جانب سفر کرنے لگیں۔ایک بڑا سا وسیع بیڈ روم جس میں پڑی ہر چیز اپنے قیمتی ہونے کے ساتھ ساتھ نفاست کا بھی ثبوت دی رہی تھی۔کمرے کے وسط میں پڑا بیڈ جس پر ایک سات سالہ بچہ سینے تک کمبل لیے کاؤچ پر بیٹھی اپنی بی جان کی مسکرا کر باتیں سن رہا تھا۔

تو ایسے میرے اور آپ کے بابا سائیں کی شادی ہوئی۔بات کرتے کرتے وہ رکیں اور جیسے کسی نئے خیال کے آنے پر انسان چونکتا۔

"ابان بیٹا۔۔"ہاتھ میں پکڑی سلائیاں جس پر وہ کوئی سویٹر بن رہیں تھی۔سائیڈ پر رکھتے مکمل اس کی جانب متوجہ ہوئیں۔

"جی بی جان۔"وہ بھی تھوڑا اوپر کو آٹھ کے بیٹھا۔

آپ رات میں سونے پہلے "معوذتین" پڑھ رہے ہو نا۔

ابان ایک دم کشمش کا شکار ہوا جھوٹ بولے یا سچ۔وہ بی جان وہ میں۔۔۔۔۔الفاظ کو ترتیب دینے لگا۔

"جھوٹ ہماری زندگی میں میٹھاس کو ختم کر دیتا ایسے کہ باقی ہر شے کا مزہ ختم ہو جاتا۔منہ سے الفاظ وہی نکالو جن کو نکالے کے بعد آپ اندر سے گلٹ کا شکار نہ ہو۔"ابان کو الفاظ کی ترتیب دیتے دیکھتے بولیں تو اس نے نگاہیں جھکا لیں۔

"سچ بول کر سامنا کرنے والے بہادر ہوتے ہیں کیونکہ سچ ہی نجات کا ذریعہ ہے۔"اب وہ جیسے اس کا چہرہ بھی پڑھ رہی تھیں۔

"بی جان میں بھول گیا تھا۔"نظریں جھکائے بولا تو وہ دھیرے سے مسکرا دیں انہیں اچھا لگا تھا کہ ان کے بیٹے نے سچ اور جھوٹ کے راستے میں سچ کا انتخاب کیا تھا۔

کوئی بات نہیں اب سے آپ نے "معوذتین" کو اپنا بیسٹ بڈی بنا لینا۔۔اوکے؟؟

ابان نے کھلے دل مسکراتے زور زور سے اثبات میں سر ہلایا۔

شاباش میرا بیٹا!! دیکھو۔۔۔۔

"جو سورۃ الفلق ہے۔اس میں ہم باہر کے فتنوں (حسد ، جادو) وغیرہ سے پناہ مانگتے ہیں۔

اور سورۃ الناس میں ہم شیطان کے شر سے پناہ مانگتے ہیں جو ہمارے دلوں میں وسوسہ ڈال کے چھپ جاتا۔"

سمجھ میں آیا؟؟ ان کی بات کے اختتام میں ابان نے ہاں میں سر ہلایا۔

چلو شاباش اب ٹائم بھی کافی ہو گیا۔ آپ سورتیں پڑھ لو اور میں اپنی باقی کی کہانی کل سناؤں گی۔ ابھی سو جاؤ کاؤچ سے چیزیں سمیٹنے لگیں۔

"گڈ نائٹ بی جان۔"

"گڈ نائٹ بی جان کی جان۔" یہی سب سوچتے سوچتے اسے کب نیند نے آن گھیرا اسے اندازہ ہی نہیں ہوا۔

دوبارہ اس کی آنکھ فجر کی آذان کی آواز سے کھلی ذہن آہستہ آہستہ بیدار ہوا تو وہ ایک دم اٹھ بیٹھا۔ اوہ میرے خدایا وہ سو گیا تھا۔ انوشے اس کی کال کا انتظار کر رہی ہو گئی افففف۔۔ دایا ہاتھ منہ پر پھیرا اور موبائل آن کیا چند منٹ بعد آن ہو گیا تو اس نے انوشے کے نمبر پر کال ملائی بیل جاتی رہی لیکن فون نہیں اٹھایا گیا۔ یہی گمان کیا کہ وہ سو رہی ہو گی۔ وضو کرتے نماز ادا کی موبائل سے آن لائن ڈاؤن لوڈ ہوا قرآن نکال کر اپنا سبق پڑھا اور بیگ سے سامان نکال کر اسے الماری میں ترتیب سے رکھا اور دوبارہ سے بیڈ پر آ کر بیٹھ گیا۔

گوگل کھول کر اس شاپنگ مال کی لوکیشن دیکھنے لگا۔ تب ہی اسے معلوم ہوا۔ جیسے نام سے وہ کوئی شاپنگ مال تصور کر رہا تھا۔ وہ اس شہر کا سب سے بڑا مارٹ تھا۔ پھر سے شاید سیلز مین کی جاب افففف اب جا کر ہی پتا چلے گا۔ کچھ دیر یونہی موبائل یوز کرتا رہا۔ پھر سونے کے لیے لیٹ گیا ابھی تین گھنٹے تھے جانے میں اور انوشے کو کال کی دوبارہ تو کوئی جواب نہیں آیا وہ بھی شاید سو رہی تھی۔

صبح دوبارہ آنکھ اسکی لیٹ کھلی۔ افراتفری میں تیار ہوا اور ٹیکسی کروا کے جلدی سے بتائی ہوئی لوکیشن پر پہنچ گیا وہاں تھوڑی دیر کے انتظار کرنا پڑا مارٹ کے مالک کو اطلاع کرنے ایک لڑکا گیا تھا۔ اسے

کوفت ہونے لگی۔ پھر کچھ ہی دیر بعد ایک لڑکے اسے بلانے آیا تو اس کے ساتھ چل دیا۔ پورے مارٹ کے اختتام پر ایک بائیں جانب کونے میں ایک دروازہ تھا اس نے کھٹکٹایا تو ایک اڈھیر عمر شخص نے دروازہ کھولا۔ ابان نے اس کا جائزہ لیا شلوار قمیض پاؤں میں چپل پہنے مندی مندی آنکھیں جیسے ابھی نیند سے جاگے ہوں، جھریوں زدہ چہرے پر مسکراہٹ سجائے اِسے خوش آمدید کہ رہے تھے۔

وہ لڑکا وہیں سے واپس ہو گیا اور ابان ان کے ساتھ ہاتھ ملاتے اندر آگیا۔

وہ چھوٹا سا گھر خوبصورتی سے سجایا

گیا تھا۔ وہ نو عمر سا لڑکا جیس کے چہرے پر دھاڑی بھی ابھی ٹھیک سے نہیں آئی تھی۔ بلا کا سنجیدہ لگا تھا۔ ان کے پاس کام کرنے والے اس عمر کے لڑکے عموماً شوخ طبعیت کے مالک تھے۔

باہر اس سے ملتے بھی ایک رسمی سے مسکراہٹ اس کے چہرے پر ابھری۔ ان کے مارٹ میں کام کرنے والے زیادہ تر لڑکے غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ نوکری بھی زیادہ تر ایسے ہی لوگوں کو دیتے۔ جن کو واقعی ضرورت ہوتی تھی۔ خیر یہ لڑکا شکل سے بھی وہ پرسنلٹی سے بھی کہیں سے ضرورت مند نظر نہیں آیا تھا۔ رسمی سے تعارف کو بھی کافی لمبا کھینچنے لگے۔ اپنے کام کے بارے میں بتانے لگے کتنے لوگ کام کرتے ہیں کیسے ہوتا یہ سب ابان بظاہر تو غور سے ان کی بات سن رہا تم تھا۔ لیکن وہ اب ان کی اتنی لمبی تمہید سے اکتاہٹ سی ہونے لگی۔ بلا کام کی بات کریں نہیں تو وہ جائے۔ یہاں اسے کوئی کام بنتا نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ صاحب تو پیچھلے آدھے گھنٹے سے اسے عجیب و غریب قصے سنائی جا رہے تھے۔ جیسے کسی کی تلاش میں تھے کہ کوئی ملے اور اس کے دماغ کی دہی کی جائے۔ جب پینتیس منٹ گزر گے تو ابان کے چہرے پر جو مروتاً مسکراہٹ تھی غائب ہو گی صوفے کی

پشت سے ٹیک لگائے وہ ایک ٹانگ مسلسل ہلانے لگا۔ چہرے پر واضح اکتاہٹ کے تاثرات تھے یہ کہاں اس گراسری اسٹور کے مالک میں پھنسا دیا تھا۔۔ اللہ اللہ کر کے وہ چالیس منٹ بعد اپنے پورے شجرہ نسب پر روشنی ڈال چکے تو کام کی بات پر آئے۔

"ایسی کیا مجبوری ہو گی ہے کہ تمہیں نوکری چاہیے۔ ہوں۔ شکل اور حولیے سے تو تم ضرورت مند نہیں لگتے۔" اب وہ جانچتی نظروں سے سامنے بیٹھے نو عمر لڑکے کا جائزہ لے رہے تھے۔ جس نے آف وائٹ ٹی شرٹ پر سادہ سیوٹر، بلیو جیز کی پینٹ اور سفید جاگرز ہاتھ میں گھڑی معمولی سی تھی لیکن اس کے ہاتھ میں پہنی ہوئی قیمتی لگ رہی تھی۔

"میں ضروری نہیں سمجھتا کہ میں اپنی ضرورتوں کا اشتہار کر کر یہ نوکری حاصل کروں اور ضروری تو نہیں جو چہرے سے مظلوم دِیکھتے ہیں وہ واقعی ضرورت مند بھی ہو۔" زرا سا آگے کو جھکا یوں کہ دونوں کہنیاں گھٹنوں پر رکھے ہاتھ کی آنگلیوں کو آپس میں پھنسایا۔

اس کی بات پر سامنے بیٹھے صاحب کے چہرے کے تاثرات بدلے۔ جیسے وہ ایسی گہری بات کی امید نہیں کر رہے تھے۔ ابان اپنی بات جاری رکھے ہوئے بولا۔

"رہی بات حولیے کی تو یقین کریں آپ بھی اپنے حولیے سے اس مارٹ کے مالک نہیں لگتے۔"

اس نے سامنے بیٹھے شخص کا رنگ واضع طور پر تبدیل ہوتے دیکھا جلد ہی وہ سمبھال کر دھیرے سے مسکرائے۔

"تم نے مجھے اتنی دیر سنا مجھے اچھا لگا۔ تم سے مل کر خوشی ہوئی ہے۔" اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے بولے تھے۔

ابان بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور ان کا بڑھا ہوا ہاتھ تھما اور رسمی سی مسکراہٹ سے سر کو خم دیا۔وہ لمبے لمبے ڈھاگ بڑھتے اس چھوٹے سے گھر سے باہر نکل آیا یہ ہوا تھا ملاقات کا اختتام۔اس کے لیے وہ اتنی دور خوار ہونے آیا تھا؟

مارٹ سے بھی وہ تیزی سے باہر نکال عجیب سارا موڈ ہی غارت ہو گیا تھا۔باہر آتے گے فٹ پاتھ پر سر جھکائے چلنے لگا تھا۔اس نے غور نہیں کیا تھا کوئی اس کے پیچھے ہی مارٹ سے نکلا اور فاصلہ رکھے اس کے پیچھے چل رہا تھا۔بہت دیر چلنے کے بعد وہ بینچ پر بیٹھ گیا۔چند گہرے سانس لیتے خود کو نارمل کرنے لگا آس پاس کوئی بھی اس کی جانب متوجہ نہیں تھا۔عجیب سی بے بسی کی سی کیفیت تھی۔

"آدھی بات منہ سے نکالنے سے پہلے خواہش کو پورا کرنے والے بابا سائیں کہیں بھی نہیں تھے۔"اس نے سر دونوں ہاتھوں میں تھما اور شہادت کی انگلیوں سے کنپٹی سہلانے لگا۔"بی جان آپ کی جان کے سر میں درد ہو رہا۔"اس کی آواز آتی آہستہ تھی کہ خود کو بھی بامشکل سنائی دی۔

جو بھی ہوا تھا جیسے بھی زندگی نے موڑ کاٹا تھا کہ ماں باپ اسے جان سے زیادہ عزیز تھے۔کبھی کبھی تو اسے یہ یقین تک نہیں آتا تھا کہ وہ بابا سائیں جو ہر چھوٹی سے چھوٹی بات میں اس کی رائے کو پہلی ترجیح رکھتے تھے ان نے زندگی کہ اس ایک فیصلے پر کیوں نظر ثانی نہیں کی۔اس نے بچپن سے باپ کو ایک جاگیر دار ہو کر بھی پرانی روایات کا پابند نہیں دیکھا تھا۔وہ تو اسی راویات کو سرے سے مانتے ہی نہیں تھے پھر یہ سب۔۔۔۔افففف اس کی سمجھ نہیں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

اور خود اس کے کبھی یہ بھی تصور نہیں کیا تھا کہ وہ اپنے ماں باپ کو چھوڑ دے گا۔ایک دم دل میں ایک خیال کا لپکا تھا جس کے لیے سب چھوڑا ابھی اسے بھی چھوڑے بیٹھے ہو۔

فون نکال کر کال ملائی تو اب کی بار دوسری جانب سے کال اٹھا لی گئی۔

"السلام وعلیکم! مسسز۔۔کیسی ہیں آپ؟" بینچ کی پیشت سے ٹیک لگاتے اپنے لہجے کو خوشگوار بنایا۔

"وعلیکم السلام۔۔۔ٹھیک " نم سا لہجہ تھا۔

"اتنی کالز کی میں نے بندہ بیک کال ہی کر لیتا۔۔۔مانا کہ میری خیریت دریافت کرنے میں دلچسپی نہیں ہے، میرا روم میں آنا بھی پسند نہیں ہے، ایسے ہی ہر کسی پہ ترس کھا لیتا ہوتا ہوں۔۔۔۔اور ہاں یاد آیا (بینچ کی پشت پر بازو پھلایا۔)میرے کافی احسان ہیں آپ پر اب میں دراصل تھوڑا دور آیا ہوں اب میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی دو دن احسان کریں مجھ پر اور کال اٹھا لیا کریں۔۔مہربانی ہو گی۔"

"اگر تم نے دوبارہ مجھے ایسے ہی طنز کرنے کے لیے کال کی تو قسم خدا کی میں تمہارا اگلی بار منہ توڑ دوں گی۔ایک دم ہی خاموشی ہوئی پھر وہی ازالی نرم سے انداز میں کہنے لگی۔"میں میڈیسن کھا کر سوئی تھی گہری نیند تھی کال کا پتا نہیں چلا"

اسے معلوم تھا اگر وہ یہ کہتا کہ تمہاری آواز کو کیا ہوا تو شاید وہ رو دیتی کندھا دینے کے لیے حاضر نہیں تھا سو بات کو دوسرا رنگ دے دیا۔"ابھی آپ نے مجھے کون سا بخش دیا خیر آئندہ خیال رکھنا" انداز بے نیاز تھا۔

اس کے انداز کو نظرانداز کیا اور اگلا سوال کیا۔۔۔"کب۔۔۔کب واپس آو گے؟؟"

"میں نے نہیں تو سوچا تھا مس کر رہی ہو گی تو اقرار بھی کر دو گی۔۔۔"

ابان مصطفیٰ!! دانت پیس کر بولی۔ناشتے میں دو پیگ لگائے تھے یا نیند میں ہو؟؟ تن فن کرتا انداز۔

وہ اس کا دھیان بٹانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔اس لیے قہقہہ لگا کے ہنس دیا۔اس کے لیے انوشے کا اس انداز میں بات کرنا نیا نیا سا تھا۔پیچھے ہفتوں میں وہ جس لڑکی کے ساتھ رہا تھا وہ گھٹی گھٹی سی رہتی تھی اب وہ شاید ایڈجسٹ ہو رہی تھی۔سر جھٹک کر تصیح کی حالات سے سمجھوتا کر رہی تھی۔

ابا ننننننن۔۔۔۔۔۔وہ زچ ہوئی۔

ابان کی ہنسی کو بریک لگی تھی یہ وہ پہلی مرتبہ تھا ابان مصطفی کو انوشے کی سے نکلتا اپنا نام خوبصورت لگا تھا۔

"تم بتا رہے ہو نہیں تو میں کال ڈراپ کر دوں گی۔"اب کی بار دھمکی دی گئی۔

"سوچ رہا ہوں ایک دو دن مزید۔۔۔۔۔ہبردار خشر کر دوں گی میں تمہارا پرسوں تم مجھے اپارٹمنٹ چاہیے ہو۔"اس کی بات بیچ میں کاٹتے تیزی سے بولی۔

اور اگر میں نا آسکا پھر؟؟

دوسری جانب چند لمحے یونہی سرکے پھر کوئی بھی بات کہے بغیر کال ڈراپ کر دی گی۔

ابان نے گہرا سانس اندر کو کھینچا۔وہ اسے ناراض نہیں کرنا چاہتا، لیکن اسے ایسا لائف سٹائل بھی نہیں دینا چاہتا تھا نا وہ خود ایسے لائف سٹائل کا عادی تھا۔اس کے پاس ابھی کل کا دن تھا۔۔پہلے اس نے سوچ رکھا تھا اگر اسے یہ جاب مل جاتی ہے تو باقی کا دن وہ اپنے لیے کوئی اچھا اپارٹمنٹ ڈھونڈ لے گا۔لیکن اب وہ کل کا دن کیا کرے گا؟ سمجھ سے باہر تھا۔فون کو جیب میں ڈال کر ایک نظر دور مارٹ کی عمارت کو دیکھا پھر واپس ہوٹل کی جانب چل دیا۔اگر وہ مارٹ کے مالک اس کا اتنا دماغ نا

کھاتا اور وہ اسے اتنی کھری کھری نا سناتا یا اسے تھوڑا مزید برداشت کر لیتا تو بھی اِسے اچھی افر کر رہے تھے جس سے مہینے کا اچھا کما بھی سکتا تھا۔

واپس ہوٹل آ کر شام میں بار نکلا نا جانے کتنی ہی دیر اسلام آباد کی سڑکوں پر گھومتا ریسٹورینٹ، ہوٹل، کافی شاپس، سٹالز، دوکانیں سب دیکھ کر گزرتا گیا کسی ایک جگہ پر بھی رکنے کا دل نہیں چاہا۔ وہ خود کی ذات میں سوچتے ہوئے اتنا الجھا ہوا تھا کہ اسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ صبح سے کوئی فاصلے پر رہ کے اس کا پیچھا کر رہا۔ وہ سوچ چکا تھا صبح وہ واپس چلا جائے گا۔ یہاں رکنے کا اب کوئی جواز ہی نہیں تھا۔

انوشے کو اس نے دوبارہ کال نہیں کی تھی نا ہی اس کی دوبارہ کوئی کال آئی تھی۔ جب بہت زیادہ تھک گیا تو واپس ہوٹل آگیا۔ دوپہر میں بھی کچھ نہیں کھایا تھا اب بھی اتنا تھک گیا کہ بیڈ پر لیٹتے ہی نیند غالب آگئی۔

صبح اس کی آنکھ فون کال سے کھلی تو مندی مندی آنکھوں سے ہی ہاتھ بڑھا کہ فون اٹھا اسے کان لگایا۔

زہِنصیب۔ وہ جو اپنی ہی رو میں انوشے کی کال ایکسپکٹ کر کے بول رہا تھا دوسری جانب سے بھاری مردانہ آواز سن کہ ایک دم الرٹ ہو کر بیٹھا۔

"اگر تم چاہتے ہو کہ لاہور میں تمہاری انوشے کو کوئی پریشانی نہ ہو تو ابھی دو گھنٹے کے بعد ہماری بتائی گئی لوکیشن پہ شرافت سے آجانا۔"

پہلے دل کی دھڑکن تیز ہوئی پھر جیسے کسی نے ابان کے دل کو مٹھی میں دبایا۔"اگر میری بیوی کا نام تم نے دوبارہ لیا نا تو میں تمہاری کھال ادھیڑ دوں گا" غصے سے اسکی گردن کی نسیں ابھری گئیں۔

"تمہارا وقت شروع ہوا چاہتا ہے۔دو گھنٹے ابان مصطفی شارپ۔رکھتا ہوں فون۔"اطمینان سے کہتے وہ اس کا اطمینان برباد کر چکا تھا۔

یہ کیا کر دیا تم نے ابان مصطفی، ایسے کیسے اکیلے چھوڑ کے آسکتے ہو تم اسے؟؟ اس نے دونوں ہاتھ منہ پے پھیرے ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔

میسج کی ٹوں ٹوں نے دوبارہ متوجہ کیا جس نمبر سے کال آئی تھی وہیں سے اب لوکیشن سینڈ کی گئی۔

"کس سے مدد مانگے؟" کیسے واپس جائے بس تو صبح سات بجے کی نکل چکی ابھی 10:00 بج رہے تھے؟ اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔اس نے یاد کرنے کی کوشش کی کون دشمن ہو سکتا اس کا؟ اس ایسا کوئی یاد نہیں آیا سوائے ان لوگوں کہ جہاں سے انوشے بھاگ کر نکلی تھی۔اپنے دماغ میں سارا لائحہ عمل ترتیب دیا۔وہ سامنا کرئے گا بھاگنے والوں میں سے نہیں ہے وہ اگر اس نے اپنایا تھا تو اسکے تحفظ کے لیے کچھ بھی کر گزرے گا۔

پہلی کال اس نے انوشے کو ملائی آج پہلی بیل پے ہی کال اٹھا لی گئ۔آج موڈ شاید اچھا تھا۔

"ابان تمہیں پتا۔"پرجوش سا آغاز۔"میں نے تمہارا لایا ہوا وہ پزل والا محل آج مکمل کر لیا۔افففف وہ اتنا حسین لگ رہا۔"سامنے پڑے پزل کے ٹکڑوں سے جوڑے گئے محل کو دیکھا۔"تم واپس آ جاؤ میں نے اور بھی بہت کچھ۔۔۔"

دوسری جانب سے ابان کی آواز نا آنے پہ کان سے فون ہٹا کے دیکھا کال چل رہی تھی۔دوبارہ کان سے لگایا۔

"ہیلو ابان؟"

"ہادی کو معاف کر دو انوشے۔"اس کی آواز میں کچھ تھا جو انوشے کو چُبا تھا۔

"تم مجھے بھی معاف کر دینا انوشے۔"وہ ایسے کیوں کہہ رہا تھا؟ وہ کیوں معافی مانگ رہا تھا؟

انوشے کو اپنا دھم گھٹتا محسوس ہو رہا تھا۔آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگیں۔گھر۔۔گھر یاد آ رہا تھا اُسے بولی تو آواز بھی بھرائی ہوئی تھی۔"ابان مصطفی کیا ہوا؟"

"انوشے میں آج شاید ہادی کی جگہ کھڑا ہوں۔"

"تم بھیا کا نام لے کے مجھے کیوں ٹارچر کر رہے ہو۔"وہ جیسے پھٹ پڑی۔"مجھے تکلیف ہوتی ہے ابان مصطفی۔۔۔تم مجھے تکلیف دے رہے ہو۔"

"تم پریشان نا ہو میں اب کی بار تمہیں تکلیف نہیں پہنچنے دوں گا۔میں ساری تکلیف اپنے سر لے لوں گا۔تم بس پریشان نہیں ہونا اچھا؟ ابان مصطفی انوشے کی حفاظت کر لے گا۔"وہ شاید انوشے زیادہ خود کو تسلی دے رہا تھا۔

انوشے کی سمجھ سے باہر تھا وہ ایسی باتیں کیوں کر رہا۔گھبراہٹ سی ہو رہی تھی۔

" ابان تم آ جاؤ مجھے اکیلے نہیں رہنا میرا دم گھٹتا۔"وہ منت کر رہی تھی۔

نا جانے وہ کون لوگ تھے وہ زندہ واپس جا بھی پائے گا یا نہیں۔

"تم آ جاؤ گے نا؟؟ وہ کچھ بول کیوں نہیں رہا تھا؟ " انوش کو اپنا دل ڈھوبتا ہوا محسوس ہوا۔

"انوشے اگر میں نا آسکا تو تم مجھے معاف کر دینا۔" ابان نے خود کو کہتے ہوئے سنا۔ وہ اسے کوئی امید نہیں تھمانا چاہتا تھا۔ اس کے بعد اس آئی فون کال کے بارے میں سب بتا دیا۔ انوشے سانس روکے سنے گئی۔ آنکھوں کی پتلیاں بھی ایک جگہ پہ ساکت۔

ابان۔۔۔ت۔۔۔۔تم۔۔۔ الفاظ ہی نہیں بن پا رہے تھے وہ ہچکیوں سے رونے لگی۔ "تم مرد خود کو سمجھتے کیا ہو؟ کیا میں کوئی کھلونا ہوں؟؟ آگے بڑھ کے پزل سے جوڑے گئے محل کو زور سے ہاتھ مارا، اس کے رنگ برنگے ٹکڑے الگ ہوتے اڑ کر زمین پہ گر گئے۔ اسے زندگی میں رنگ بھرنے کا حق ہی کہاں تھا؟ ہچکیوں کے درمیان زمین پہ بیٹھتی چلی گئی۔ اسے سانس اٹک اٹک کر آرہا تھا۔

"می۔۔ میں اگر ابھی واپس آیا تو تمہیں کھو دوں گا۔ تمہیں کھو دیا تو زندہ کیسے رہو گا؟ اس سے بہتر ہے میں خود کو کھو دوں۔"

اور میں میرا کیا۔ کیا میرے سینے میں دل نہیں ہے؟ اور کتنی تکلیف برداشت کروں ہاں؟؟ لوگ رحم کیوں نہیں کھاتے ابان؟؟ آخری میں اس کی آواز رندھ گئی تھی۔

"تم وہاں مت جاؤ ابان۔ وہ بہت خطرناک لوگ ہیں۔ تم واپس آ جاؤ۔" آنکھوں سے آنسوں ٹوٹتے جا رہے تھے۔ "تمہیں کھونا نہیں چاہتی۔"

ابان کے لبوں پہ سوگوار سی مدھم سی مسکراہٹ نے احاطہ کیا۔ وہ ایسے اعتراف کرے گی اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔

"میں بھی تمہیں کھونا نہیں چاہتا۔" بیڈ سے نیچے پاؤں لٹکا کر بیٹھا۔ "اینڈ انوشے وِل یو سٹاپ کرائینگ؟؟ میرے سر میں درد ہو رہا۔ اور میں چوڑیاں پہن کے نہیں بیٹھنے سے تو رہا۔ اور ابھی تو مجھے

پکا بھی نہیں ہے کہ وہ وہی لوگ ہیں جن کے پاس تم تھی فون پے ایسا کچھ نہیں کہا۔اگر انہیں تمہیں کوئی نقصان پہنچانا ہوتا تو میں تو یہاں ہوں آسانی سے پہنچا سکتے تھے۔وہ کرنے کا کچھ ارادہ نہیں رکھتے اور اگر ایسا کوئی ارادہ ہو گا بھی تو۔۔۔خیر ایسا نہیں گا۔"اس نے اپنی کی بات کاٹی۔

انوشے بے دردی سے آنسو پونچھ دیئے۔"جو جی میں آتا کرو میری بات کی تو اہمیت ہی نہیں ہے۔ میری طرف سے بھار میں جاؤ۔"آنسو کی جگہ غصے نے لے لی تھی۔

ابان اس کی بات کاٹتے بولا تھا۔"رکھتا ہوں فون۔"مزید کچھ کہے سنے بغیر کال کاٹ دی۔

کچھ دیر بیٹھ کے مزید سوچتا رہا۔پھر اٹھ کے فریش ہونے چل گیا۔فریش ہو کر ٹیکسی بک کروائی وہاں لوکیشن پر پہنچ گیا۔

زیادہ دور نہیں تھا لیکن ایک بڑی سی سرخ اینٹوں سے بنی خویلی۔جس میں بڑی سے گاڑی داخل ہو رہی تھی فرنٹ سیٹ پر ایک لڑکا جو ڈرائیو کر رہا تھا ان دونوں کی نظر ایک سیکنڈ کر لیے ملی، پیچھلی سیٹ پر اس نے ایک عبایا میں بیٹھی کسی خاتون کا گمان ہوا۔ابان نے ٹیکسی پیچھے ہی کھڑی کروائی اور ٹیکسی والے کو کرایہ دیا چلتا ہوا تھوڑا آگے آیا۔تب تک چوکی دار گھیٹ بند کر دیا تھا۔ایک نظر موبائل پر آتی لوکیشن دیکھی جو اسی علاقے کی تھی یہاں قطار میں شاندار بنگلے تھے۔گھڑی پہ وقت دیکھا اور 12:00 بجنے میں ایک منٹ تھا۔اس نے جیب سے فون نکال کر کال لاگ کھولا تا کہ کال کر سکے اسی نمبر سے کال خود ہی آنے لگی اٹھائی تو وہی شخص کی کا بھاری مگر دھیما لہجہ سنائی دی۔

"تھوڑا آگے آؤ دو بنگلے چھوڑ کر تیسرے میں۔"اس نے دیکھا تو یہ وہی حویلی تھی جہاں ابھی گاڑی داخل ہوئی۔فون جیکٹ کی جیب میں ڈالتے اس نے قدم وہیں بڑھا دیے۔چوکی دار کو پہلے کی اطلاع کر دی گی تھی اس لیے آسانی سے اندر داخل ہو گیا البتہ دل ابھی دھک دھک کر رہا تھا۔

تھوڑی دیر میں وہ ایک خوبصورتی سے آراستہ بیٹھک میں بیٹھا تھا۔جہاں اس کے مقابل وہی نوجوان بیٹھا تھا۔جس کو تھوڑی دیر پہلے گاڑی اندر لے جاتے دیکھا تھا۔سامنے ہی ایک اڈھیر عمر شخص سفید شلوار قمیض پر آسمانی ویسٹ کوٹ، ہاتھ میں قیمتی گھڑی پیروں میں کھیڑی پہنے ہوئے قبول صورت مگر ایک بارعب پرسنیلٹی کے مالک شخص سربراہی کرسی پے بیٹھے غور سے سامنے بیٹھے نوعمر نوجوان کا کا معائنہ کر رہے تھے۔

"تو تم ہو ابان۔"سر سے پیر تک ایک نظر ڈالی۔

"جی میں ہی ہوں ابان مصطفی۔"مصطفی پے تھوڑا سا زور دیا۔سامنے سے ایک ملازم اب ٹیبل پر چائے کے لوازمات رکھ رہا تھا۔

"سنا تم ملازمت کی تلاش میں ہو۔"ملازم اب چند آخری پلیٹیں رکھ رہا تھا ابان نے ایک نظر اسے دیکھا جب وہ واپس مڑ گیا تو رخ ان کی جانب پھیرا۔

"آپ کی تعریف؟" اس نے جواب دینے کی بجائے الٹا سوال کیا۔

"میرا نام چوہدری حسن عمر ہے۔میں ایک پراپرٹی ڈیلر اور سنار بھی ہوں۔یہ میرا بیٹا ہے۔"اُن بازو لمبا کر کے ابان کے مقابل بیٹھے لڑکے کی جانب اشارہ کیا۔ابان نے ایک نظر اسے دیکھا تو وہ مسکرایا لیکن ابان کے چہرہ بے تاثر تھا ابھی تک یہاں آنے بلانے کا مقصد واضح نہیں ہوا تھا البتہ یہ وہ لوگ نہیں

تھے ان کا انوشے سے کوئی تعلق نہیں تھا اتنا تو سمجھ میں آ گیا تھا معاملہ کچھ اور تھا۔اس نے دوبارہ سے گردن ان کی جانب کی اور ذہن میں بھٹکی سوچوں کو جھٹکا۔

عاقب (گراسری اسٹور والا) میرا پرانا جاننے والا۔مجھے ایک ایماندار ،اچھے اخلاق والا اور قابلِ اعتبار ملازم کی تلاش تھی۔کافی دنوں سے میں نے اسے کہہ رکھا تھا مگر اس نے کہا ایک لڑکا ہے تھا لیکن اس نے اسے کہیں اور بھیج دیا۔

اب ابان کی سمجھ میں کچھ کچھ آنے لگا تھا۔عاقب نے اس کے بارے میں انہیں بتایا ہو گا کہ میں نوکری ڈھونڈ رہا ہوں۔

تم کل ایک نوکری کے لیے گئے تھے۔خیر اسے چھوڑو۔گھنی مونچھوں تلے ہونٹوں پہ ایک جاندار مسکراہٹ آئی۔

"سنا ہے تمہیں بات کو طویل کرنے والے لوگوں سے چڑ ہے کافی سٹیسٹ فارورڈ انسان ہو۔"وہ بات کا رُخ موڑ گئے تھے۔لیکن ابان کو سمجھ میں آ گیا تھا کہ مارٹ کے مالک کی جو صرف کر کے آیا تھا اشارہ اُسی جانب تھا۔البتہ انہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا اس سے ابھی وہ واقف نہیں تھا۔

"ٹھیک سنا آپ نے۔"ان کی بات کے جواب میں سنجیدہ سے جواب دیا۔جیسے وہ باور کروانا چاہ رہا تھا کہ وہ بھی بات کو طویل کر رہے ہیں۔

"تم میرے پاس نوکری کرو گے؟" وہ سیدھا ہی کام کی بات پر آئے۔ویسے بھی وہ بات کو کھینچنے والے انسان نہیں تھے۔

"کیوں نا پہلے ہم اس فون کال کے بارے میں بات کرلیں؟"

"سنیں وہ میری غلطی ہے۔"ان کی اس گفتگو میں پہلی بار وہ لڑکا بولا۔چوہدری حسن عمر بھی چونکے تھے۔

" کون سی فون کال؟" ناسمجھی سے ان نے اپنے سے استفارہ کیا۔

"اس یعنی آپ کو اس بار میں نہیں معلوم۔"ابان کے ماتھے کی سلوٹیں واضع ہوئیں۔

"بابا وہ میں ابان کو خود کال نہیں کر سکا نا ہی پیک۔"اویس نے سچ بتایا۔

"کس نے کال کی ابان کو؟ اور کیسے آیا ابان؟" حسن صاحب ایک آبرو آچکا کے جواب کے منتظر تھے۔

"بابا وہ۔اس نے گلے سے تھوک نگلی۔لطیف کو بولا بولا تھا میں نے۔اس نے کال کرنے کے بعد مجھے اپنا کارنامہ بتایا کہ اس نے ابان کو کس طرح انوٍیٹیشن دیا۔لڑکا شرمندہ لگ رہا تھا۔"(اس نے الف سے یے تک باپ کو اپنے سے چھوٹے بھائی کا کارنامہ سنا ڈالا)

چوہدری حسن عمر نے ایک لمبا سانس کھینچا اور ایک نظر ابان کو دیکھا جو یہ سب سننے کے بعد یہاں سے اٹھا۔وہ بے زار سا نظر آرہا تھا۔اتنے نان سیریس ایٹیٹیوڈ تھا ان کے بیٹے کا۔

اُسے اٹھاتے دیکھ کر چوہدری حسن عمر بھی اٹھ گے اور ان کا بیٹا بھی۔

"اویس ایک منٹ میں لطیف چاہیے یہاں مجھے۔"اس نے نہایت با روب لہجے میں کہا اور تو اویس تیزی سے کمرے سے باہر گیا۔ابان تم بیٹھو پلیز۔مجھے تھوڑا سا بھی اندازہ ہوتا نا کہ اویس اتنا نان سیریس ایٹیٹیوڈ ہوں گا تو میں خود ہی یہ کام کرتا۔وہ شرمندہ نظر آ رہے تھے۔دراصل لطیف میر چھوٹا بیٹا شرارتی ہے کافی۔اویس اسکے برعکس ہے۔مجھے کل معلوم ہوا کہ تمھیں وہاں نوکری نہیں

ملی تو میں نے اویس کو کہا تھا تمہیں خود کال کرئے اور اگر تم مان جاتے ہو تو آج پک بھی کر لے۔لیکن یہ بچے افففف

ابان ان کے اتنے معذرت خوانہ انداز پے اپنی جگہ پر دوبارہ بیٹھا۔(بے دلی سے ہی سہی لیکن بیٹھ گیا۔)

حسن عمر نے دوبارہ سے بات کا سلسلہ جاری کیا۔اویس نے یوکے کا پڑھائی کے سلسلے میں وزیر اپلائے کیا تھا۔اس کو پازیٹو رسپانس مل گیا اب وہ وہاں جا رہا۔مجھے اپنے دفتر میں اپنے ساتھ لڑکے کی اشد ضرورت ہے۔جو سمارٹ اور ٹیلنٹڈ ہو۔وہ تم ہو۔(اتنی چھوٹی ملاقات میں کیسے جان گئے مجھے؟) جو میرے ساتھ برنس ڈیلز کے لیے بھی ساتھ ہو، چند پارٹیز بھی اٹینڈ کرے اور جو میر بی خاف پے کبھی کبھی اکیلے پارٹیز بھی اٹینڈ کرنے پڑے تو کر سکے۔میرے دو بیٹے ایک بیٹی ہے۔بیٹی دونوں بیٹوں سے بڑی ہے۔بیٹی کی شادی کی تھی۔دو سال ہوئے شادی کو پھر ایک خادثے میں اس کے شوہر کی جان چلی گی۔وہ بھی میرے پاس ہوتی ہے۔دوبارہ اس نے شادی نہیں کی۔
"COMSTAS UNIVERSITY " میں لیکچرار ہے۔اسے بس صبح میں ڈراپ اور دوپہر میں پیک کرنا ہوتا۔چونکہ اویس یہ کام کرتا تھا۔اگر میرے ساتھ کام کرنے کی ڈیل کر لو گے تو تمہیں یہ بھی کرنا ہو گا۔

تنخواہ اس کی الگ سے ملے گی۔اور میرے ساتھ آفس کے کاموں میں تم اسسٹینٹ کا رول پلے کرو گے۔اگین اگر تم یہ آفر قبول کر لیتے ہو۔تنخواہ تمہاری مرضی سے دوں گا۔وہ اس سے مزید باتیں کر رہے تھے۔سادہ اور صاف الفاظ میں کسی لگی لپٹی سے بغیر۔ابان بھی نیم رضا مند سا نظر آ رہا تھا۔

پسے منظر میں اسے دو لڑکوں کی باتوں کی آواز آ رہی تھی۔"کیسے بھائی ہو ابان بھائی میری کھال ادھیڑ دیں گے ان نے کہا تھا۔"

اچھا ہے میں تو چاہتا ہوں تمہاری کھال ادھیڑ کے بوٹیاں بھی کر دیں۔میں آج تک اتنا شرمندہ نہیں ہوا، جتنا آج ہوا ہوں۔"اویس کے لہجے میں برہمی تھی۔آوازیں زیادہ قریب آ چکی تھیں۔

"یار آج بچا لے قسم کھاتا ہوں بھابھی کے آگے تیری وہ سکول کی پرانی کرش۔جس کے پیچھے تو دو دن گھوما تھا ذکر نہیں کروں گا۔"

ابان کو لطیف کی دھمکی پے ہنسی آگی جیسے اسنے کھانسی کر کے کنٹرول کرلیا۔

چوہدری حسن عمر بھی نفی میں سر ہلا رہے تھے جیسے ان کا کچھ نہیں ہو سکتا والا انداز تھا۔وہ دونوں اب ان کے اندر آنے کا انتظار کر رہے تھے۔جو باہر ہی کھڑے ہو کر تماشے کر رہے تھے۔

"لطیف۔چلو اندر۔اب ابان یا بابا صاحب نے تمہاری کھال نا ادھیڑی تو میں خود اڈھیروں گا۔"اویس تنبیہہ کرتے بولا تھا۔

"عزت مآب اویس حسن عمر پہلے تشریف رکھیں۔ہم تو آپ کے خادم ہیں۔خاک ہیں ہم خاک۔ہم آپ کے پیچھے چلیں گے۔"بغیر کوئی اثر لیے بولا۔

اب کی بار ابان کو قہقہہ واقعی چھوٹ گیا۔اور جو رہا سہا جو غصہ تھا وہ بھی لطیف منت سنتے جاتا رہا۔

اویس،لطیف باری باری ان نے دونوں کو آواز دی۔ایک سینکڈ میں اویس ایک چودہ سے پندرہ سالہ لڑکے کے ساتھ اندر آیا جس کی گردن جھکی ہوئی تھی وہ اویس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

اسکی معصوم سی شکل دیکھ ابان کو واقعی یقین نہیں ہوا اتنے چھوٹے لڑکے کی اپنی عمر سے اتنی بھاری آواز۔

"انسان کو ایسی حرکت کی نہیں کرنی چاہیے جس کی وجہ سے کسی کے پیچھے پیچھے چھپنا پڑے۔"چوہدری حسن عمر کی آواز نے دوبارہ خاموشی کو توڑا۔

"سوری بابا صاحب۔۔۔سوری ابان بھائی۔بھیا کی غلطی نہیں تھی میں نے خود ان سے کہا تھا کہ میں ان کا یہ کام کر دوں گا۔" نظریں زمین پر مرکوز کیے بات کرتے وہ واقعی شرمندہ لگ رہا تھا۔"اور ویسے بھی میں نے کافی دونوں سے ایک شریف آدمی کا کردار ادا کیا"(اس کا اشارہ اتنے دن کوئی شرارت نہ کرنے کے تھا)

اویس نے اس کو پٹری سے اترتے دیکھ کے چٹکی کاٹی۔لطیف دوبارہ سے سنجیدہ ہوا۔اور پہلے بابا صاحب تو دیکھا جو سنیجدہ تھے پھر ابان کو دیکھا جس کے چہرے بھی سنجیدہ تھا۔(کھال ادھیڑنے کے پورے چانسس ہیں لطیف بیٹا دل میں کسی نے کہا) پھر دھیرے سے ابان کو دیکھتے مسکرایا تو ابان بھی مسکرا دیا۔ہائے ایک اٹکی سانس بحال ہوئی۔

کچھ دیر میں انہیں منا چکا تھا۔اب وہ تینوں بات بیٹے ابان کے جواب کے منتظر تھے۔ابان نے کہا تھا کہ وہ سوچ کر جواب دے گا لیکن لطیف نے تب تک جان نہیں چھوڑی جب تک ابان نے نوکری کے لیے ہاں نہیں کر دی۔

پھر یہ وہ دن تھا جب ابان مصطفی کی رندگی کا پہیہ اور قسمت کا سکہ چل پڑا۔

اس چھوٹے سے برآمدے والے گھر پہ بھی شام اتر آئی تھی ، وہ چند سیکنڈ پہلے ہی آفس سے گھر لوٹی تھی ، ماں کو سلام کرتی وہ فریش ہونے کی غرض سے اپنے کمرے میں آئی ، کندھے پہ لٹکتے بیگ کو اتار کے بیڈ پہ رکھا ، سر سے چادر اتار کے الماری میں ہینگ کی ، اپنے پاؤں ہیلز سے آزاد کرتی ، آرام دہ سلیپرز گھسیٹرے اور منہ دھونے واش روم تک آئی ، چند چھینٹے پانی کے مار کے وہ واپس کمرے میں آئی ، تھکن سے چور بدن ، اور سرخ ہوتی آنکھوں کے ساتھ اسنے اپنے کمرے کی بیڈ شیٹ درست کی ، اور کمرے کا پھیلاوا سمیٹا ، صبح جلدی میں آفس کے لیے نکلتے وقت وہ کمرے کی حالت بگاڑ چکی تھی ، اور اب اسے اس پھیلاوے سے سخت کوفت ہورہی تھی ،کچھ ہی منٹوں میں کمرہ اپنی اصل حالت میں موجود تھا ، تھکن سے اسکے وجود پے نیند طاری ہونے لگی ، لیکن وہ ابھی کچھ دیر ماں کے پاس بیٹھنا چاہتی تھی ، جب سے اسکا آفس شروع ہوا تھا ، ماں کے ساتھ بہت کم وقت گزار پاتی تھی ، ایک وہی تو تھیں اسکی اپنی ، وہ یہ وقت ماں کے لیے رکھتی تھی اور اس وقت میں وہ کسی تیسرے کی مداخلت برداشت نہیں کرتی تھی ، اگر اسکی اور ماں کی گفتگو کے دوران کوئی فون کال بھی آتی تو وہ انہیں اٹھانے سے منع کردیتی ، بالوں کا جوڑا بنائے ، کندھوں پر ڈوپٹہ پھیلائے وہ برآمدے میں آئی ، جہاں ماں ایک چھوٹے سے لکڑی کے تخت پہ بیٹھی تھیں، ہاتھ گود میں دھرے تھے ، اور ان ہاتھوں میں فون موجود تھا ،اود وہ گم صم سی کچھ سوچنے میں مصروف تھی۔وہ انہیں اسطرح بیٹھے

دیکھ کے ان تک آئی اور خاموشی سے انکے پاس بیٹھی ، انکے ہاتھوں سے فون اٹھا کے سائیڈ پہ رکھا ، اور انکے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے ، اسکے ہاتھ تھامنے سے رفعت چونکیں۔
"کیوں پریشان ہیں؟" انکے چہرے پہ موجود پریشانی وہ دیکھ چکی تھی۔

"تمہارے تایا کی کال آئی تھی"۔وہ گہری سانس بھر کے بولیں۔

" کیا کہہ رہے تھے، کوئی نیا مطالبہ ؟" تایا کا نام سنتے ہی اسکے چہرے پہ ناپسندیگی پھیلی۔

"ماہ نور " رفعت نے اپنی بیٹی کو خفگی سے ٹوکا۔

"اچھا بتائیں پھر کیوں پریشان ہیں"۔نا چاہتے ہوئے بھی اسکا لہجہ انکے لیے سخت ہوجاتا تھا۔
"بتا رہے تھے تمہارے چچا ہسپتال داخل تھے ، آج ہی ڈسچارج ہو کے گھر آئے ہیں"۔وہ پریشانی سے ساری گفتگو اسکے گوش گزار چکیں تھیں۔

" میں نے ان سے کہا تھا کہ ہم چکر لگائیں گے "۔اسکے تاثرات دیکھتیں وہ یہ بات دھیمے سے بولیں ، وہ ماہ نور کو جانتی تھیں، اسے انکے گھر جانا سخت ناپسند تھا۔

اس بات پہ وہ خاموش ہی رہی ، خاموشی سے اپنی آنکھیں اپنے سپید ہاتھوں میں موجود انکے ہاتھوں پر ٹکائے بیٹھی رہی۔

"تم نہیں جانا چاہتی بیٹے کوئی مسلہ نہیں ،میں تمہیں فورس نہیں کروں گیں ، میری مجبوری ہے مجھے جانا پڑے گا ، پرسوں جاؤں گی تمہارے تایا کی طرف"۔وہ اسے خاموش دیکھ کے مزید گویا ہوئیں۔

اسنے خاموشی سے اثبات میں سرہلادیا۔

اب کے رفعت نے پرسکون ہوتے اسکے ہاتھوں پر تھپکی دی ، اور اٹھ کے اسکے لیے کھانا گرم کرنے لگیں ، کھانا کھانے کے دوران بھی ماہ نور کافی خاموش رہی تھی ، خاموشی سے کھانا کھا کے وہ اپنے کمرے میں سونے چلی گئ ، پیچھے رفعت برتن اٹھاتیں بس سوچ کہ رہ گئیں تھیں۔

ناجانے کب انکی بیٹی کے دل کی سخت دیوار پگھلے گی۔۔

* * * * * * * * * * * * * * * *

آفس کی گاڑی چوک میں اتار دیا کرتی تھی۔آج وہ ابھی گلی میں ہی چلی کندھے پر بیگ لٹکائی پیروں کو چھوتا زرد کلیوں والا فراک پہنے پیروں میں کولا بیری چپل ڈالے، میک اپ سے شفاف چہرہ، دھوپ کی پڑتی کرنوں سے گال ہلکے ہلکے سرخ تھے۔وہ سیدھ میں ہی دیکھتی گھر کی جانب چلتی آرہی تھی۔

آج ابان ایک مہینے کے لیے قطر میں ایک ضروری پراجیکٹ کے سلسلے کے لیے روانہ ہوا۔اب آفس کا کام زیادہ اِسے ہی دیکھنا تھا۔ابان کی غیر موجودگی میں انوشے بھی چکر لگاتی رہے گی۔

گھر کی ایک سیپرٹ چابی اس کے پاس ہوتی تھی۔دروازہ کھولتے گھر میں داخل ہوئی۔اپنے پیچھے دروازہ بند کیا۔

السلام وعلیکم!! رفعت بیگم۔اپنی ہی دھن میں سلام کرتی برآمدے میں داخل ہوئی۔

برآمدے میں کھڑی اماں اور کندھے پر پیار لیتا ان کے ہونے والے داماد نے مڑ کے دیکھا تھا۔

"وہ ٹھہر گی۔پھر آگی بڑھی۔وہ پتا نہیں آیا تھا یا جا رہا تھا۔"

"لو اب دیکھو ماہ نور بھی آگئی ہے اب تو تھوڑی دیر بیٹھو۔"رفعت ماہ نور کو آتا دیکھتے کہنے لگیں۔

"دیکھو ماہ نور ریحان یہاں سے گزر رہا تھا چکر لگ گیا۔میں کب سے بول رہی ہوں بیٹھ جاؤ پہلی بار اکیلے آئے ہو میں کھانا لگاتی ہوں اچھا تھوڑی نا لگتا۔"

ریحان نے ماہ نور کی جانب دیکھا تو اسنے ہلکا سا سر کو ہم کیا جواباً ریحان بھی مسکراتے ہوئے سر کو ہم دیا۔

"نہیں آنٹی ایسی بات نہیں ہے میں تو بس یہاں ایک کام سے آیا تھا۔(پھر ہر کام سا گیا دل نے کہا) سوچا آپ سے ملتا چلوں۔اممم میں انشاللہ پھر چکر لگاؤ گا۔"

ماہ نور کے گھر آنے کا وقت معلوم تھا۔یہاں وہ قریب ایک دوست کو ڈراپ کرنے آیا تھا۔گھڑی پر ٹائم دیکھا تو ماہ نور اسی وقت آفس سے آیا کرتی تھی اس نے فون پر ایسا کی کچھ بتایا تھا۔پھر اس کے قدم خود بخود ہی اس گھر کی جانب بھر گئے۔وہ اِسے ایک نظر دیکھنا چاہتا تھا اور ابھی وہ انتظار کرتے واپسی کی ہی راہ لے رہا تھا شاید ملنا نصیب میں نہیں ہے یہی سوچتے وہ رفعت سے اجازت لے رہا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا جانے لگے گا تو سورج مکھی کا کھلتا پھول نظر آ جائے گا۔ابھی وہ مکمل رفعت کی جانب متوجہ تھا۔

"چلو بیٹا جیسے۔"

سوری اماں میں آپ کی بات درمیان میں کاٹ رہی ہوں۔"سو مسٹر ریحان آپ غلطی سے آ ہی گئے ہیں تو غلطی سے بیٹھ بھی جائیں تھوڑی دیر۔اماں کو خوشی ہو گئی وہ مغرور سی لڑکی اسے یوں براہِ راست محاطب کرے سوچا نہیں تھا۔

وہ مسکرایا اور سر اس انداز میں ہم دیا جیسے اور کوئی حکم؟ پھر کرسی سنبھالی۔"یہ ہوئی نا بات۔"رفعت پورے دل سے مسکرائیں اور ماہ نور کو پاس بیٹھنے کا بول کے خود کچن کی جانب گئیں۔پلاؤ تو پہلے سے ہی چڑھا رکھا تھا۔کباب فریز کیے تھے وہ بنا لیں گی۔

یہ تو طہ تھا ان کی مغرور بیٹی کبھی سیدھی طرح بات نہیں کرے گی۔

ماہ نور کندھے سے بیگ اتار کے پاؤں میں رکھا اور ہاتھ میں پکڑی فل سامنے میز پر رکھتی کرسی دھکیل کر سامنے بیٹھی۔

"کسی جا رہی ہے آپکی جاب؟" ریحان نے بات کا آغاز کیا۔

"ویل۔۔۔جاب بہت اچھی جا رہی ہے۔ابان سر کے ساتھ کام کرے کافی کچھ سیکھنے کو ملتا۔ہی ایز آ جینٹل مین۔"سادہ سے نرم لہجے میں جواب دیا۔

ریحان کو پہلے سے ہی مصطفی انڈسٹریز کے بارے میں سن رکھا تھا اور اکثر ماہ نور کے منہ بھی تعریف سنتا رہتا تھا۔اس لیے اس نے سمجھ کر سر ہلایا۔

آنٹی کیسی ہیں۔؟

ٹھ۔۔۔ٹھیک ہیں۔بیر کے درخت پر لٹکتے جھولے کو دیکھا۔پتا نے کتنے جھوٹ بولنے تھے ابھی۔۔اگر جو اس سامنے بیٹھی لڑکی کو پتا چل جائے کہ جس مرد اور عورت کو وہ اس کے ماں باپ سمجھتی ہے۔ وہ اس کے ماں باپ ہی نہیں ہیں۔اور تو اور وہ اس سے شادی بھی اپنے بزنس کے فائدے کے لیے کر رہا تھا۔تو وہ اِسے ایک پل میں چھوڑ دے۔

لیکن اب۔۔۔اب تو اس کا دل بدل گیا وہ اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہتا۔مگر جب تک نکاح نا ہو جائے اندھیرے میں رکھنا اس کی مجبوری تھی۔سچ بتانے سے ڈرتا نہیں تھا۔۔بس۔۔۔بس وہ ایسے کھونے سے ڈرتا تھا۔وہ اس سامنے بیٹھی لڑکی کو کھونا افورڈ نہیں کر سکتا۔

آپ کا بچپن میں کیا خواب تھا کہ آپ بڑی ہو کر کیا بنیں گی۔کیا سوچا کرتیں تھی آپ؟ اس نے مزید سوالوں سے بچنے کے لیے وہ بات کا رخ نا جانے کہاں لے گیا۔

ماہ نور اس کے سوال پر پہلے حیران ہوئی پھر جھک کر تھوڑی تلے ہاتھ رکھا اور سوچنے لگی۔پھر ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلے اور پھر مسکراہٹ گہری ہوتی گئ۔ریحان اسے دیکھا پھر نظر نیچی کی پھر دیکھا۔۔

اففف ایک تو یہ ڈمپل۔۔۔اس نے سر جھٹکا۔

"بچپن میں میں سیون کلاس تک انٹرنیٹ سے کراٹے ویڈیوز نکل کے سیکھا کرتے تھی۔"پیروں پر نظریں جمائے کہہ رہی تھی۔اسے یہ یاد کر کے ہی مزہ آ رہا تھا۔"پھر تین سا پیچ میں نہیں سیکھے۔پڑھائی میں مصروف ہو گئ۔اماں نے سختی کی کہ ایسے کام لڑکیاں نہیں کرتی۔کالج میں جب داخلہ لیا تو وہاں چھٹی کے بعد کراٹے ٹیچر آیا کرتی تھیں۔اس کا ایک محسوس یونی فارم ہوا کرتا تھا۔ مجھے وہ بس دیکھ کر دوبارہ سے اپنا بھولا بسرا شوق یاد آ گیا اور میں نے بھی بابا کو منا کر وہ کلاسز لینا شروع کیں۔پورے دو سال ہم نے سیکھے پھر اینڈ پر ہمارا ایک پروگرام منعقد کیا گیا میں نے اس میں بھی حصہ لیا۔اور پھر مجھے بیسٹ کراٹے چیمپئن کا ایوارڈ ملا۔بڑے فخر سے بتا رہی تھی۔

"پھر اسکے بعد سے میرا ڈریم تھا میں ایک کراٹے اکیڈمی بناؤں لڑکیوں کے لیے۔زندگی نے اگر موقع اور مہلت دی تو دی تو اس پر کام کروں گی۔"

ریحان سر جھٹک کر ہنسا۔"آپکا انتخاب واقعی عام لڑکیوں سے ہٹ کر ہے۔"

"شیرنی جو ہوئی۔"ایک دم اس کی زبان سے پھسلا اندر تک سناٹا چھا گیا۔وہ آج پھر کہاں اور کس وقت یاد آیا تھا وہ بھولتا کیوں نہیں تھا؟

ریحان نا سمجھی سے پوچھا۔"شیرنی؟"

وہ جلدی سے خود کو کمپوز کرتے کہنے لگی میرا مطلب تھا۔"ماہ نور سجاد کا انتخاب عام نہیں ہو سکتا۔اچھا آپ بیٹھ میں اماں کو دیکھ کر آتی ہوں۔اتنی دیر لگا دی ہے ان نے۔وہ بیگ اور فائل اٹھاتی اماں کو دیکھنے کی بجائے اپنے کمرے میں چلی آئی۔چیزوں کو بیڈ پر رکھا۔

آئینے کے سامنے جا کر کھڑی ہوئی۔وہ اجنبی سا اپنا ایسے موقعے پر کیوں یاد آیا تھا؟ بالوں کو جوڑے سے آزاد کرتے چوٹی میں بھاندے اور لمبی چوٹی کمر پے ڈالی۔پھر منہ ہاتھ دھویا۔پیر چپل سے آزاد کیے۔خود کو ری فریش کرتی واپس آئی مگر دل اندر سا بجھا بجھا سا تھا۔

باہر آئی تو اب برآمدے سے اٹھتے ریحان اماں کے ساتھ ہلکے پھلکے انداز میں بات کرتے بیٹھک میں جا رہا تھا۔

جی آنٹی انکل (ماہ نور کے تایا) اور میں نئے پراجیکٹ پر کام کر رہے ہیں۔

"ماشاءاللہ بیٹے اللہ کامیاب کرے۔"رفعت دعا دیتے اسے کے ساتھ بیٹھک میں چلیں گی۔

ماہ نور کچن میں آئی اور پلیٹ میں کھانا کھالنے لگی۔تب ہی رفعت دوبارہ کچن میں کبابوں کی پلیٹ اٹھانے آئیں۔

آجاؤ سب کے ساتھ کھانا کھاؤ۔"اماں میں تھک گئ ہوں بہت۔ناجانے کیوں دل ہر شے سے دل اچٹ سے ہوا تھا۔اِسے خود پر غصہ آ رہا تھا۔ریحان اتنا اچھا تو تھا وہ اسکے ساتھ یہ سب کیوں کر رہی تھی۔

رفعت نے اس کے بدلتے موڈ کو نوٹ کر لیا جبھی بولیں۔"ابھی تو تم ٹھیک تھی کیا کوئی بات کی ہے ریحان نے؟" ان نے غور سے اسے دیکھا۔

"نہیں اماں کسی نے کوئی بات نہیں کی چلیں آئیں۔ اندر چلتے ہیں۔" سرسری سے مسکراتے وہ پلٹ وہیں سلیب پر رکھتے اماں کے ساتھ آئی۔ ڈائینگ ٹیبل پر بھی رفعت کو ریحان ہلکی پھلکی باتیں کرتے رہے۔ ریحان نے محسوس کیا وہ ایک دم سہی بات کرتے اٹھ کر چلی گئ تھی۔ کیا ہوا تھا اسے؟ ابھی بھی وہ چپ چاپ اپنی پلیٹ پر جھکی کھانا کھا رہی تھی۔

شروع شروع میں جب اس کے بات کرنے کا کہا تھا تبھی اِسے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ اس کا بات کرنے کا انداز ہی ایسا تھا۔ کہ پہلی بار ملنے والے کو معلوم ہوتا تھا کہ کافی روڈ ہے۔ آج تو سب ٹھیک تھا پھر ایک دم۔ اس نے سر جھٹکا شاید اس کی نیچر ہی ایسی تھی۔ پہلے جب وہ سہی بات کر رہی تھی تب بھی خیرت کا جھٹکا ہی لگا تھا۔ اور کھنچے اندار کا تو وہ شروع سے ہی عادی تھا۔ اسے اتنا نہیں سوچنا چاہتے وہ ٹھیک ہے۔ کھانا کھانے کے بعد اس نے اجازت لی اور چلا گیا۔

ماہ نور رفعت کے ساتھ سارے برتن سمیٹے۔ تو رفعت نے اس سے کہا تھا۔ مانو وہ کوئی بچہ نہیں ہے جس نے تمہارا یہ اندازہ نا محسوس کیا ہو۔ اور آئندہ میں بتا رہی ہوں تمہارا یہ رویہ برداشت نہیں کروں گی۔ سدھر جاؤ۔ تمہاری شادی سر پے آ رہی ہے۔ خاموشی سے ان کی باتیں سنتی رہی پھر کمرے میں سونے چلی گئ۔

****

وہ آفس جانے کے لیے بلکل تیار کھڑی تھی، گھٹنوں تک آتی خوبصورت پنک شرٹ پہنے، سٹیریٹ کیپری، اور وائٹ ڈوپٹہ اوڑھے، سادہ سے حلیے میں بھی پیاری لگ رہی تھی، وہ خوبصورتی کا منہ بولتا

ثبوت تھی۔ایک آخری نظر اپنے سراپے پہ ڈالی، بیگ کندھے پر لٹکایا،چند آفس فائلز ہاتھ میں تھامے وہ اماں کے پاس آئی ، وہ اس وقت ناشتے کے برتن کچن میں رکھتے نکل رہی تھیں۔

"اچھا اماں میں آفس کے لیے نکل رہی ہوں۔"انکے گلے لگتے وہ لاڈ سے بولی۔

" اللہ کی امان میری بیٹی۔"ہمیشہ کی طرح انہوں نے مسکرا کے اسے اللہ کی امان میں دیا۔

وہ پلٹنے لگی تھی جب کچھ یاد آنے پہ وہ جلدی سے بولیں۔

"ماںو میں وجدان (ماہ نور کا اسٹوڈنٹ) کے ساتھ آج تمہارے چچا کا پتا لینے جاؤں گی۔"

باہر کی جانب بڑھتے اسکے قدم رکے ، وہ کیسے بھول گئ تھی۔

"ٹھیک ہے اماں آپ وجدان کے ساتھ چلی جایئے گا۔"ماں سے نظریں چُرا کر کہتی پلٹ گئ۔

رفعت اس کی پشت تب تک دیکھی جب تک وہ گیٹ نا پار کر گئ۔

ابان کے قطر جانے کی وجہ سے آفس کا سارا کام ماہ نور دیکھ رہی تھی ، اس وقت وہ اپنے کیبن میں بیٹھی مختلف قسم کی سوچوں میں مصروف تھی ، وہ جب سے گھر سے آفس آئی تھی اسکا دل کسی بھی کام میں نہیں لگ رہا تھا ، سو طرح کے وسوے اسکے ذہن میں ابھر رہے تھے ، اسنے آفس کی وال کلاک کی جانب دیکھا ، جو کے دو کا ہندسہ پار کر چکی تھی۔آفس میں ابھی لنچ بریک ہوئی تھی۔

"اتنے عرصے میں پہلے تو کبھی کسی چیز کی اطلاح نہیں دی تایا نے ، پھر اچانک اب کیسے خیال آگیا ؟" طرح طرح کے خیالات اسکے ذہن میں آرہے تھے۔

"اوہونہہ ضرور اسکے پیچھے انکا کوئی مقصد ہے۔"اسے کسی بھی صورت اپنی بھولی ماں کو انکے بیچ اکیلا چھوڑنا نہیں چاہیے،جلدی سے اپنی چیزیں سمیٹتی وہ اٹھی ، ابان کی غیر موجودگی میں وہ آفس کی گاڑی استعمال کرسکتی تھی ، جلدی سے ڈرائیور کو گاڑی نکالنے کا کہتی وہ خود بھی باہر آئی۔اور واجدان کو کال ملائی تو اس نے بتایا کہ وہ بس اپنے گھر سے نکل رہا آنٹی کو ڈراپ کرنا اس نے اسے منا کر دیا کہ وہ نا جائے وہ خود جا رہی ہے۔باہر آتے پہلے ڈرائیور کو گھر چلنے کا کہا پھر وہاں سے اماں کو پک کیا۔رفعت کو خیرت کا شدید جھٹکا لگنے کے ساتھ خوشی بھی ہوئی تھی کہ چلو اس نے بھی اپنے رشتوں کی جانب قدم بڑھائے تھے۔ڈرائیور کو یہی انتظار کرنے کا کہہ کے وہ ماں کے ساتھ ہی اندر جانب بڑھی۔

اس گھر میں اسکا بچپن گزرا تھا۔جب تک بابا زندہ تھے تب تک سب بہت اچھا تھا مگر جب انہیں اماں کی عدت پوری ہونے سے پہلے نکالا گیا تب سے دوبارہ کبھی اس گھر اور اس گھر کے مکینوں کی جانب مڑ کے بھی دیکھا تھا۔لیکن اب۔۔۔اب مجبوری تھی۔اماں نے اسے بتائے بغیر ایک احسان لے لیا تھا اب وہ اس کے بوجھ تلے تھی۔رفعت آگے بڑھ گئیں اور وہ ان کے پیچھے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھانے لگی۔

جب اس نے مین گیٹ عبور کیا تو اس کی چچی اور تائی اماں سے مل رہی تھیں۔سب سے پہلے تائی کی نظر اس پر پڑی ماہ نور نے ان کی مسکراہٹ واضح مدھم ہوتے دیکھی۔پھر سنبھلیں۔

"اوہ۔واہ بھابھی واٹ آ پلیزنٹ سرپرائز۔ماہ نور بھی آئے گی آپ نے بتایا ہی نہیں۔"ان نے آگے بڑھتی ماہ نور کے کندھے سے اپنے ساتھ لگایا۔ماہ نور بامشکل ہی مسکرائی۔

"بس میں نے کہا کے ہم سرپرائز دیں گے۔"وہ یہ نہیں کہہ سکیں تھی کہ ان کی بیٹی نے خود انہیں سرپرائز دیا۔

"بہت اچھا کیا بھابھی آپ ماہ نور کو لائیں ہیں۔"چچی بھی سنبھالتے اس کو گلے لگایا۔

ایسے ہی باتیں کرتے وہ لاؤنج میں آ گئے۔چچا بھی تھوڑی دیر آ کر ان کے پاس بیٹھے پھر آرام کرنے کے لیے کمرے میں چلے گئے۔رفعت نے جب بچوں کے بارے میں پوچھا تو سمیرا نے بتایا کے سب ہی یونیورسٹی اور کالج گئے ہیں۔ایسے ہی مزید چھوٹی چھوٹی باتیں کر رہے تھے۔

"بھائی صاحب نظر نہیں آرہے۔"رفعت نے تایا کو نا پا کر پوچھا۔

"بھابھی وہ آفس سے لنچ بریک پر آپ سے ہی ملنے آئے تھے۔اوپر سٹڈی میں کوئی کام تھا وہیں گے ہیں۔آئیں بھابھی اگر آپ نے ملنا تو مل آتے ہیں۔"

آہہہ ایک تو یہ اماں بھی نا چچا کا پتا لینا تھا لے لیا اب گھر چلیں مگر نہیں۔۔۔صبر ماہ نور صبر اس نے خود کو کچھ بولنے سے روکا۔

اچانک ہی لاؤنج میں چچی کی بیٹی داخل ہوئی۔سفید یونی فارم میں کندھوں تک آتے بال جن کو چھوٹے سے کلپ میں جکھڑ رکھا تھا۔دیکھ کر ٹھہری اور پھر مسکراتے آگئے بڑھی۔ان دونوں سے ملی اور ماہ نور کے ساتھ ہی والی خالی جگہ پر بیٹھ گئی۔

تائی اور اماں اوپر چچا سے ملنے چلے گئے۔تو چچی وہ اور ان کی بیٹی بیٹھیں تھی۔ان کی بیٹی اس کا حال احوال پوچھا جو کہ یہ مختصر جواب دیتی رہی۔پھر چچی اسے چینج کرنے کا کہا تو اٹھ کھڑی ہوئی۔

چچی کو ملازمہ بُلانے آئی کے چچا انہیں بلا رہے ہیں۔ماہ نور میں بس پانچ منٹ میں بات سن کے آئی وہ کہتی چلیں گئی۔

پیچھے ماہ نور اکیلی تھی گھڑی پر ٹائم دیکھا تو آفس میں بریک بھی ختم ہونے والی تھی۔پھر وہاں سے اٹھی یہ سوچتے اوپر سٹڈی کی جانب گئی وہاں سے تایا کے مل کر اماں کو کر واپس چلے۔وہ گھر کے کونے کونے سے اچھی طرح واقف تھی۔وہ بھولی ہی کہاں تھی اس گھر کو۔۔۔

وہ اوپر آتے سٹڈی تک پہنچی ، دروازہ ادھ کھلا تھا ، اندر کا منظر بھی واضع دکھائی دیتا تھا، وہ دروازہ کھول کے اندر جانے ہی لگی تھی ، جب اندر سے آتی آواز نے اسکے پیر منجمد کردیے۔

" بھابھی اگر آپ چاہتی ہیں کہ ماہ نور کا رشتہ برقرار رہے تو میں کچھ دنوں میں چند پیپرز لے کہ آؤں گا آپکی طرف ، ان پہ سائن کردیجیے گا " دروازے سے وہ انکا نیم رخ دیکھ سکتی تھی ، ایک ہاتھ میں فائل تھامے وہ ٹہلتے ہوئے بات کررہے تھے۔

"رفعت ہنوز خاموش تھیں ،وہ کیا بولتیں وہ جب بھی اپنا دل انکی طرف سے صاف کرتیں کوئی نہ کوئی وجہ ایسی ضرور بن جایا کرتی تھی ، جب انہیں اپنی بیٹی حق پہ لگتی تھی۔

" میں چاہوں تو ابھی بھی آپ سے سائن کروا سکتا ہوں ، لیکن میں آپ کو سوچنے کا وقت دینا چاہتا ہوں ، آپ اچھی طرح سوچ لیں آپ کیا چاہتی ہیں ". سفاکی کی حد ختم ہوتی تھی اسکے ان دوگلے رشتے داروں پہ۔

باہر کھڑی ماہ نور سجاد کا چہرہ ضبط سے لال ہوچکا تھا۔تو اس لیے آج اس کی ماں کو بھلایا گیا تھا۔چچا تو بیمار تھے مگر اصل تایا اور تاتی عیادت کے لیے نہیں اپنی پیچ سوچ سے آگاہ کرنے کے لیے بھلایا تھا۔

اشتعال میں آ کے وہ اندر بڑھنے ہی لگی تھی کہ ایکدم رک گئ ، اسنے چھپ کے ادھ کھلے دروازے سے دیکھا کہ اسکے تایا وہ فائل ایک دراز میں رکھ رہے ہیں ، اسکے دماغ نے بہت غور سے اس جگہ کا نقشہ اپنے دماغ میں فیڈ کیا۔

پھر وہ دو قدم پیچھے ہٹی اور تیزی سے سیڑھیاں اتر کے لاونج میں آ بیٹھی۔اسے معلوم تھا اب اسے کیا کرنا ہے۔

" آپ کو کیا لگتا ہے تایا بیک ڈور استعمال کرنا صرف آپ جانتے ہیں ، اوہونہہ میں بھی آپ کا ہی خون ہوں۔اب میں آپ کو آپ کے طریقے سے ہی ہینڈل کروں گی ، میرا بیک ڈور استعمال کرنا آپکی طبیعت پہ گراں گزرے گا۔"دل ہی دل میں وہ کہتی ایک لائحہ عمل تیار کرنے لگی۔

کچھ دیر میں اسنے سب کو لاؤنج کی جانب آتے دیکھا۔اسے دیکھتے ہی وہ اسی والہانہ محبت کا اظہار کرنے لگے ، کہ اسے انکے انداز سے چڑ ہونے لگی ، البتہ اسنے اپنی ماں کو دیکھا تھا جو کافی بجھی بجھی سی تھیں۔وہ جانتی تھی یہ کام بھی اسے بتائے بغیر کر لیں گئ۔وہ اسکی خوشیوں کے لیے ہر شہ کی قربانی دے دیں گی۔مگر وہ ان لالچی لوگوں کو اپنے طریقے سے ہینڈل کرے گی۔بہت برداشت کر چکی انہیں۔

وہ رفعت کو لیے ڈرائیور کے ساتھ گھر واپس آ گئ تھی ، ڈرائیور کو اسنے واپس آفس بھجوا دیا تھا۔، وہ آفس کا کام واپس گھر جا کہ کرے گی۔

اپنے کمرے میں آتی وہ بے چینی سے چکر کاٹتی رہی ، پھر بھی سکون نہ ملا تو آفس کا کام لے کہ بیٹھ گئی ، بظاہر تو وہ کام میں مگن تھی ، لیکن ذہن اسکا اسی فائل میں اٹکا تھا، اسے کسی بھی طریقے وہ فائل تایا کے گھر سے غائب کرنی تھی ، لیکن کیسے؟ یہی آکے وہ سوچ میں پڑھ جاتی۔

"کیا کروں ؟ کیا کروں؟ کس سے مدد لوں؟ ہاتھ میں بال پوائنٹ تھامے وہ اسے بار بار بند کرتی اور کھولتی۔سامنے پڑے بلینک پیپر پہ وہ خالی نظریں ٹکائے ہوئے تھی۔

"ریحان ؟" اسنے سفید کورے کاغذ پہ اسکا نام لکھا۔

"نہیں ریحان نہیں ، وہ تایا کا بزنس پارٹنر ہے میں اس پہ اس معاملے میں یقین نہیں کرسکتی"۔فوراً سے اپنی بات کو رد کرتے اسنے کاغذ پہ سے اسکا نام کاٹا۔

"وجدان"۔؟ اسکا نام لکھتے ساتھ ہی کٹ کر ڈالا نہیں وہ ابھی بہت چھوٹا ہے۔اسکی مدد بھی نہیں لے سکتی۔

اففف اب کہ اسنے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

اچانک اسکی آنکھوں کے سامنے وہ مسکراتی ہوئیں نیلی آنکھیں آئیں ، ماسک سے ڈھکا ہوا چہرہ ، سر پہ ہمیشہ کی طرح ہڈ گرائے۔اسے وہ یاد آیا۔

" ھیلر " ٹرانس کی سی کیفیت میں وہ کاغذ پہ اسکا نام لکھ چکی تھی، اور چاہ کے بھی اسے کاٹ نہیں سکی۔

"اوہ ھیلر " تم ہاں تم وہ واحد بندے ہو جو اس کام میں میری مدد کر سکتے ہو ، جلدی سے اٹھتی وہ اپنے بیگ کی جانب بڑھی اسکا دیا ہوا ،آلہ وہ اپنے آفس بیگ میں رکھتی تھی ، جلدی سے اسے نکالتی ، اسنے دھڑکتے دل سے اپنے سامنے کیا۔

" جب بھی کسی مصیبت میں ہو، یا ویسے اگر کوئی پریشانی ہو ، تو بس اسے اپنے کان میں لگا کہ ایک بار "ھیلر" کہنا اور بندہ آپکی خدمت میں حاضر۔

اسکے الفاظ یاد کرتی اسنے وہ آلہ اپنے کان میں لگایا۔۔اور دھڑکتے دل اور بہت مان سے اسکا نام پکارا۔

"ھیلر"۔وہ بند آنکھوں سے اسکا نام پکار گئ تھی۔

" مرحبا شیرنی"۔حیرت کی زیادتی سے اسکی آنکھیں پٹ سے کھلیں فوراً ہی دوسری طرف سے رسپانس مل چکا تھا۔

اس وقت وہ اپنے کمرے میں بیٹھا کوئی فائل ریڈ کر رہا تھا ،جب اسکے فون پر بب کی آواز نے اسکی توجہ کھینچی ، اسکے سارے بلیو توتھ اور خاص آلوں کا کنیکشن اسکے موبائل کے ساتھ اٹیچ تھا، اس وقت نوٹیفکیشن سینٹر پہ جو نام جگمگا رہا تھا ، اس نام نے اسے حیرت میں ڈال دیا تھا۔"اچھی لڑکی " کے آگے شیر والا اموجی اسکی اسکرین پہ تھا ، اسنے جلدی سے بلیو توتھ کنیکٹ کرکے اسے جواب دیا۔

" کیسے ہو "؟ اپنی حیرت پہ قابو پاتے اسنے فوراً اسکا حال دریافت کرنا چاہا۔

"ویسا ہی جیسے لاسٹ ٹائم تھا"۔اسکی مسکراتی آواز اسکے کانوں سے ٹکرائی۔

" impossible"

ماہ نور نے مسکرا کے اسے پچھلی بار والے لقب سے نوازہ۔

"کہیے شیرنی کو ہماری یاد کیسے ستائی؟ " کانوں میں رس گولتی آواز ، مسکراتا لہجہ۔

"یاد کرنے کے لیے تم ہی رہ گئے تھے کیا ؟" اس سے بات کرتے نجانے کیوں گفتگو طویل ہو جاتی تھی۔

" ہمیں بہت خاص بندے یاد رکھتے ہیں مادام " شرارتی ، اور مسکراتا ہوا لہجہ ہنوز برقرار تھا۔

"یعنی تم مجھے خاص کہہ رہے ہو ؟" وہ لب دبا کے بولی

"یاد رکھنے والے خاص مادام ، یاد رکھنے والے " وہ بات پہ زور دے کہ بولا

"سٹوپڈ" وہ زچ ہو کے بولی۔

شکریہ ، ڈھٹائی میں اسکا کوئی ثانی نہ تھا۔

"سنو" اب کی بار وہ سنجیدگی سے بولی۔

"ہمہ تن گوش ہوں" نجانے کیوں وہ فون پہ مہذب طریقے سے گفتگو کر رہا تھا۔

" مجھے تمہاری مدد چاہیئے ، میری مدد کرو گے؟" کوئی یقین سا تھا اسکے لہجے میں کہ اگلی طرف سے انکار نہیں ہو گا۔

"اتنا تو میں جان ہی چکا تھا شیرنی ، انکار نہیں کروں گا ، میں کام جانے بنا ہی مدد کے لیے تیار ہوں"۔
وہ پوری دنیا کو انکار کرسکتا تھا ، لیکن نجانے کیوں اس ایک لڑکی کو وہ انکار نہیں کرپاتا تھا۔

" سوچ لو"۔اسکی طرف سے اتنے مثبت جواب پہ ماہ نور کے دل میں اسکے لیے عزت مزید بڑھ چکی تھی۔

" کیا مجھے اپنی بات دہرانے کی ضرورت ہے ؟" پل میں مغرور ہوجایا کرتا تھا یہ شخص وہ بس سوچ کہ رہ گئی

۔

"نہیں" جل کے کہتی وہ اسے ساری تفصیل بتانے لگی۔

" مانا کہ میرا حلیہ تھوڑا مشکوک ہے ، میں ماسک لگاتا ہوں ، گن تھامتا ہوں ، لیکن تمہیں چور کہاں سے نظر آتا ہوں ؟" وہ جل کے بولا

مس ایل ہوتی تو بتاتی کہ اس مشکوک حلیے والے نے کب اور کہاں کہاں اپنے ہاتھوں کی صفائی دکھائی ہے۔

بڑے بڑے بول بولنے سے پہلے سوچنا چاہیئے تھا۔وہ جلتی پہ تیل کا کام کرنا جانتی تھی۔

"کل رات مجھے میرے گھر سے پک کرنے آجانا"۔ساتھ ہی نیا حکم صادر کیا گیا تھا۔

"ڈرائیور نہیں ہوں تمہارا"۔خفگی سے کہتا وہ کال کاٹ چکا تھا. وہ جانتی تھی وہ آئے گا، مسکرا کے اس آلے کو واپس بیگ میں رکھتی وہ اب کافی ہلکا محسوس کررہی تھی۔

****

اگلی رات وہ اپنی گلی کے کنارے کھڑی تھی۔اسکا انتظار کر رہی تھی۔

"تم کہاں ہو؟"۔وہ اپنے کان میں لگے آلے میں بڑبڑائی، بلیک ہڈ سر پہ گرائے، بلیک جینز پہنے، چہرے پے سیاہ ماسک چڑھائے، پیروں میں وائٹ جاگرز مقید کیے، وہ اپنی گلی کے کنارے کھڑی تھی۔

کسی کا انتظار کرتے وہ مسلسل یہاں سے وہاں ٹہل رہی تھی۔

"تم مجھے سن رہے ہو؟" اسنے دوبارہ مخاطب کرنا چاہا، مگر جواب ندارت۔

"اپنے پیچھے دیکھو"۔اچانک آلے میں اسکی آواز گونجی۔

اسنے سرعت سے پیچھے مڑ کر دیکھا۔لیکن پیچھے کوئی نہیں تھا، دور دور تک کوئی نہیں دکھائی دے رہا تھا، گلی مکمل سنسان تھی۔اسنے اچنبے سے سامنے مڑ کے دیکھا۔تو وہ وہاں کھڑا تھا۔اپنے مخصوص حلیے میں موجود۔ مسکراتی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے۔

"مرحبا شیرنی"۔ مسکراتی آواز میں تھوڑا سا جھک کے کہا گیا۔

"مرحبا۔"اسنے ناک سکوڑ کر جواب دیا۔

"کسی کے بھی کہنے پہ پیچھے مُڑ کے نہیں دیکھا کرتے، خواہ آپ کو اس پے کتنا ہی یقین کیوں نہ ہو۔تمہیں میری آواز اپنے عقب سے نہیں اپنے کان میں موجود آلے سے آئی تھی، اور بنا کسی تحقیق کے تم نے فوراً مُڑ کے دیکھنے کی غلطی کی"۔وہ بہت پر سکون اور ٹھہر ٹھہر کے کہہ رہا تھا

۔

"تم کبھی مجھ سے طنز کے بغیر بھی بات کر سکتے ہو؟"۔اسنے خفگی سے اپنی خفت مٹانا چاہی، غلطی تو اسکی تھی ہی، وہ مانتی تھی ،لیکن اقرار نہیں کرے گی۔

"تمہیں لگتا ہے میں تم سے نارمل انداز میں بات کر سکتا ہوں؟"۔وہ محظوظ ہوا تھا۔

"اور تمہیں کیوں لگتا ہے کہ میں تم پہ یقین رکھتی ہوں۔"اسنے کن اکھیوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ ہلکا سا مسکرایا، پھر اپنے بیگ پیک میں سے ایک خاص گلاسس نکالتا وہ اسکی طرف بڑھا، اسکے عین سامنے کھڑے ہوکے اسنے کہنا شروع کیا۔

"اگر تم مجھ پہ یقین نہ رکھتی، تو کبھی بھی مجھ سے مدد نہ مانگتی" اسنے رک کے اسکی جانب دیکھا۔

" شیرنی "وہ ٹھہرا ، اسکی گہری آنکھوں میں اپنی نیلی
آنکھیں ڈالی۔

"تم خود بھی نہیں جانتی کے تمھیں مجھ پے کتنا یقین ہے، اور میں خود بھی نہیں جانتا کے میں کیوں تمھیں انکار نہیں کر پاتا"۔کہتے ساتھ ہی اسنے وہ گلاسس اسے پہنا دی۔

اب وہ مکمل ایک دوسرے کا عکس لگ رہے تھے۔خوبہو ایک جیسے۔جیسے کالی اندھیری رات میں گلی کنارے دو سیاہ ہیولے کھڑے ہوں۔ایک دوسرے کے مقابل۔

وہ یک ٹک اسے دیکھے گئ۔۔وہ دنگ رہ گئ تھی، اسکی باتوں پے نہیں ، وہ اسکی ان باتوں کی عادی تھی، اسکی حرکت پے،وہ شل تھی ،لکل ساکت۔

"پہلی بار زندگی میں اسنے ایسا مرد دیکھا تھا، جو اسکے بے حد قریب کھڑا تھا، اور بنا کسی غلط ارادے کے اسنے اپنا ہاتھ اسکے چہرے سے ہلکا سا بھی مس نہیں ہونے دیا، اور وہ اسے آرام سے گلاسس پہنا چکا تھا۔"اور پھر وہ دھیرے سے اس سے دو قدم دور ہوا۔

"چلیں؟۔"اسنے جھک کے اسے مخاطب کیا۔

اور وہ ٹرانس کی سی کیفیت میں اپنا سر ہلا گئ۔پھر وہ دونوں قدم بہ قدم چلتے گئے۔۔یہاں تک کے وہ دونوں ھیلر کی گاڑی میں سوار ہوگئے ، اپنے مقصد کی طرف روانہ ہوگئے۔

دو راہی۔

جو انجان تھے۔

اپنے اپنے دلوں سے۔

چل پڑے تھے ایک ایسی منزل کی جانب۔

جس کا راستہ تھا کانٹوں سے بھرا۔

ایسے کانٹے جس سے روح تک قبض ہو جائے۔

نجانے اس راستے کے اختتام پر۔

کیا کچھ منتظر تھا انکا۔

****

کچھ دیر بعد وہ لوگ ایک گھر کے سامنے کھڑے تھے، ہر سو گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی، آس پاس کسی زی روح کی آواز نہ تھی، ایسے میں وہ گھر بھی اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا، جیسے کے اس گھر کے مکینوں کا ضمیر۔۔

"ہم گھر کے اندر کیسے جائیں گے؟"۔وہ اسکے ساتھ کھڑی تھی، اور قدرے پریشانی سے تھوڑا سا اسکی طرف جھک کے بولی۔

وہ اسی طرح اطمینان سے کھڑا، اپنی عقابی نظروں سے ہر شے کا معائنہ کرتے ہوئے۔

"اچھی لڑکی۔"اسنے اسے ایک نئے لقب سے مخاطب کیا، ہر بار وہ اسے کوئی نا کوئی نیا لقب دے دیا کرتا تھا۔

جواب میں وہ پوری دلجمعی سے اسکی طرف گھومی تھی۔

"کسی بھی کام کو شروع کرنے کا پہلا اصول جانتی ہو کیا ہوتا ہے؟"۔وہ مسکرا کے اس سے پوچھنے لگا۔

جواب میں اسنے معصومیت سے پلکیں جھپکائیں ، اور نفی میں سر ہلایا

وہ اسکی اس ادا پر کھلے دل سے مسکرایا۔

اور وہ پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتی تھی کے وہ مسکرایا تھا، اسے اسکی مسکراہٹ دکھائی نہیں دیتی تھی، لیکن وہ اسے محسوس ضرور کرلیا کرتی تھی، پتہ نہیں کیسے، لیکن کرلیا کرتی تھی۔

"کسی بھی کام کو شروع کرنے سے پہلے ہم اسکے بارے میں مکمل جانچ پڑتال کرتے ہیں، کے اس کام کو کب کیسے اور کیوں شروع کیا جائے"۔وہ ٹھہر ٹھہر کر الفاظ ادا کررہا تھا، نرمی سے سکون سے۔

وہ اسے بہت غور سے سن رہی تھی۔وہ دونوں گھر کے سامنے کھڑے تھے ، اندر سوئے شیرنی کے تایا تائی ، اس بات سے بے خبر تھے، کے آج رات کے بعد وہ کبھی بھی اتنی گہری اور پرسکون نیند نہیں سوسکے گے، نیند انکی آنکھوں سے روٹھنے والی تھی۔

"تو شیرنی ہم گھر میں داخل ہونے سے پہلے پہلا کام یہ کریں گے، ہم اس گھر کو اسکے ہر زاویے سے دیکھیں گے۔ کونسی کھڑکی کس کمرے میں کھلتی ہے، گھر کے کتنے ان اور آوٹ ڈورز ہیں، کتنے کمرے ہیں، اور کس کس کے کمرے ہیں۔"وہ رسانیت سے بولے جارہا تھا، اور وہ اسے مشکوک نظروں سے گھور رہی تھی۔

بولتے بولتے خود پر نظروں کی تپش محسوس کرکے اسنے اپنی آنکھیں اسکی طرف گھمائی، اور ایک ابرواچکا کے پوچھا گیا۔"کیا"؟

"چور ہو؟، جاسوس ہو یا غنڈے ہو ؟"وہ اسے انہی مشکوک نظروں سے گھورتے ہوئے بولی۔

اسنے تعجب سے اپنے دونوں ابرواچکائے اور اسے دیکھ کے ہولے سے لب ہلائے۔

"سیریسلی؟ تم مجھ پے شک کررہی ہو ؟"

"ہاں۔ظاہر ہے کر رہی ہوں تمہاری حرکتوں سے تم کافی مشکوک ثابت ہوئے ہو۔"وہ دوبدو بولی۔

"تو مادام اس چور ، غنڈے کی آپکو کیا ضرورت ، ماشااللہ سے آپ کافی ٹیلینٹڈ اور بہادر ہیں، یقیناً اپنی خفاظت کرنا بھی جانتی ہیں تو میں چلتا ہوں، ایک چور ، غنڈے کی آپکو کیا ضرورت بھلا"۔جاسوس والی بات وہ گول کر گیا تھا، کیونکہ جاسوسی ھیلر کی رگ رگ میں شامل تھی، اس بات کو وہ چاہ کے بھی رد نہ کرسکا۔

"یعنی کے تم جاسوس ہو ، آل رائیٹ مسٹر جاسوس"۔وہ تیزی سے اسکی اداکاری کو نظرانداز کرتے ہوئے بولی

۔

ماسک کے نیچے سے اسکے لب وا ہوگئے۔

"تم کتنے ہی سمارٹ کیوں نہ ہو مسٹر جاسوس، مجھ سے زیادہ سمارٹ نہیں ہو سکتے، کیونکہ باتوں میں عورتوں سے کبھی بھی کوئی نہیں جیت سکا، وہ اسکی طرف تھوڑا سا کھسکی۔

"اور شیرنی کا دوسرا ٹیلنٹ جانتے ہو کیا ہے ؟" مزے سے کہتی وہ اب اسکی طرف دیکھ رہی تھی ، جو تعجب سے آنکھیں وا کیے ہوئے تھا۔

" میں لوگوں کو انہی کے الفاظوں میں الجھا کے مات دینے میں ماہر ہوں " وہ مسکرائی تھی، شیرنی نے فخر سے گردن اکڑائی، اور سیدھ میں کھڑی ہو گئ۔

وہ ٹکٹکی باندھے اسے دیکھے گیا کانوں میں کسی سے کہتے اپنے الفاظ گونجنے لگے۔

" میں لوگوں کو انہی کی ذات میں الجھا کر مات دینے میں ماہر ہوں۔"

"اسنے جلد ہی خود کو کمپوز کرلیا پھر کھلے دل سے مسکرا کے اپنے سامنے موجود لڑکی کو دیکھا۔بلاشبہ وہ خاص تھی، بہت خاص اور سب سے منفرد۔

"اور تمہیں کیسے معلوم ہوا کے میں جاسوس ہوں"۔وہ اطمینان سے اسکے دیکھ کے سوال کر رہا تھا۔

"کیونکہ تم ، زیادہ زور ، چور اور غنڈے پر دے رہے تھے، جاسوسی کو تم رد نہیں کررہے تھے، تم خود کا جاسوس کہنا نظرانداز کررہے تھے، اور انسان صرف اپنے رازوں کو نظرانداز کرتا ہے۔ھیلر بے"۔ شانِ نے نیازی سے کہتے اسنے مسکرا کے اپنا سر جھٹکا۔

" Impressive"

وہ متاثر ہوا تھا، وہ اسکو جانتا ہی کتنا تھا، اور وہ اسے جانتی ہی کتنا تھی ،پھر بھی ان دونوں میں کچھ تو مشترک تھا۔اور وہ کامن چیز تھی۔

"دونوں کا نڈر ہونا، بے خوف ہو کے ہر کام کر دکھانا، کسی کے رعب اور دبدبے میں نہ آنا، دوسروں کی حرکات اور الفاظوں سے انکے ارداوں کا پتہ لگوانا"۔کسی حد تک وہ ایک جیسے تھے۔

"تم اس گھر کو اچھے سے جانتی ہو؟" رائیٹ۔

اسنے فوراً اثبات میں سرہلایا۔

" تو بتاو تمہارے تایا کا کمرہ کس کھڑکی کی طرف ہے؟"

"دوسری منزل پر بائیں جانب جو کھڑکی ہے وہ میرے تایا کا کمرہ ہے، لیکن ہم اندر کیسے جائے گے؟
" اسکا سوال وہی کا وہی تھا۔

"مجھے چُنا ہے تو مجھ پہ بھروسہ بھی رکھو شیرنی"۔وہ ہلکی سی خفگی لیے بولا۔

"بھروسہ ہے، تبھی تو چُنا ہے"۔وہ جی کڑا کے بولی۔

"دیواریں وغیرہ پھلانگنی آتی ہیں؟ "

"کیوں میں تمہیں شکل سے بلی نظر آتی ہوں؟"

"نہیں ، شیرنی۔۔۔"اسنے تصیح کی۔

"تم مجھے شیرنی کیوں کہتے ہو"۔نجانے کیوں وہ بات کو طول دینا چاہ رہی تھی، وہ اپنی شادی سے پہلے
یہ آخری سٹنٹ اس شخص کے ساتھ کرنا چاہتی تھی، جس سے اسکی ہر ملاقات پہلے سے زیادہ دلچسپ

ہوتی، ہر ملاقات یادگار ہوتی، ہر ملاقات میں وہ اسکی گرویدہ ہورہی تھی۔لیکن اپنے دل کے بدلتے رویوں سے انجان تھی۔

اسکی بات پہ اسنے اسے چونک کے دیکھا۔

"شیرنی"۔زیر لب اسنے دہرایا، پھر اسکی سوالیہ آنکھوں کو اپنے اوپر مرکوز دیکھ کے وہ بھی مسکرایا۔

"کیونکہ"۔وہ اسکے بلکل سامنے آ کھڑا ہوا، یوں کے مکان کی طرف اسکی پشت تھی، اور رخ ماہ نور کی جانب۔

" یوں جیسے وہ اس گھر کے سایے سے بھی اسے محفوظ رکھنا چاہتا ہو"۔

"کیونکہ مجھے تمہاری آنکھوں میں خوف نہیں نظر آتا، تمہاری آنکھیں نڈر ہیں، گہری ہیں ، بہت سی کرب ناک یادوں سے بھری ہیں، تم کوئی بھی سٹنٹ کرنے سے پہلے اسکے نتائج پے غور نہیں کرتی، تمہاری آنکھوں کو جو ناگوار گزرتا ہے، تم اس پے آنکھیں بند کرکے مڑ نہیں جاتی، اسکا سامنا کرتی ہو "

"مکا مارتی ایک لڑکی کی جھلک اسکی آنکھوں کے سامنے لہرائی۔"

"تمہارے دل میں جو آتا ہے، تم وہ کر گزرتی ہو۔"اور ایسا صرف تب ہوتا ہے ، جب کوئی شیر جیسا دل رکھتا ہو، حالات سے مقابلہ کرنا جانتا ہو، رو دھو کے کونے میں بیٹھنے والوں میں سے نا ہو۔جو انکے کردار پے انگلی اٹھانے کی جرأت کرے، وہ اسکی انگلی توڑ دینے کی صلاحیت رکھتا ہو"۔

وہ سانس روکے اسے سن رہی تھی، دم سادھے۔

"اور یہ سب میں تم میں دیکھتا ہوں، اور تم " وہ ٹھہرا

۔

وہ بھی ٹھہر کے اسے دیکھنے لگی۔۔

" تم شیرنی ہو ، اور زندگی میں کبھی بھی تمہیں احساس ہو کے تم کمزور ہو تو میرے ان الفاظوں کو یاد کرلینا، کیونکہ میں لوگوں کے چہرے پڑھنے میں بہت اچھا ہوں"۔

"غلط"۔وہ جو مڑنے لگا تھا واپس گھوما۔

"غلط کہہ رہے ہو تم ، تم لوگوں کو پڑھنے میں اچھے ہو یا نہیں میں نہیں جانتی، لیکن تم ، تمہاری آنکھیں، تمہارے تاثرات ، جو میں دیکھ نہیں لیکن محسوس ضرور کر سکتی ہوں اسکے برعکس ہیں جیسا کے تم خود کو ظاہر کرتے ہو ، تمہاری آنکھیں بھی ایک گہری کرب ناک داستان اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں ، وہ مسکرائی"۔اور جانتے ہو آنکھوں کو پڑھنے کا فن کن لوگوں میں موجود ہوتا ہے؟۔"

"اسنے نفی میں سرہلایا۔اب دنگ ہونے کی باری اسکی تھی"۔
"یہ فن ان میں موجود ہوتا ہے جن کے دل کسی کرب ناک ماضی سے گزرے ہوں۔"اور ہم دونوں کے دل ان لمحات سے گزر چکے ہیں"۔

اس کے لبوں کے کنارے بہت دلکش مسکراہٹ بکھری تھی۔

"میرے خیال سے ہمیں کام پے فوکس کرنا چاہیے ، جس چیز کے لیے ہم یہاں موجود ہیں، ٹارگٹ سے ہماری بےتوجہی ہمیں مات دے سکتی ہے" وہ ٹھہرے اور پرسکون لہجے میں بات کا رخ تبدیل کرچکا تھا۔

"میں کبھی نہیں ہارتی، یا تو میں جیتتی ہوں ، یا میں سیکھتی ہوں، لیکن میں ہارتی نہیں ہوں، او ہونہہ کبھی نہیں"۔بلیک ہڈ کے ہالے میں اسکی روشن چمکتی آنکھیں بہت مسحور کُن لگ رہی تھیں۔

"الفاظ بہت بھاری ہوتے ہیں، شیرنی ، انہیں سوچ سمجھ کے ادا کرنا چاہیے ، اگر زندگی میں کہی کسی مقام پے آپکو ہار کا سامنا ہوا ، تو اپنے الفاظوں کا بوجھ کیسے اٹھاوں گی؟ کیسے سامنا کروگی خود کا ،یقین جانو ، الفاظ کسی تعقاب کار کی طرح آپکا تعاقب کرتے ہیں"۔

وہ اسے دیکھ کے رہ گئ۔

وہ سنجیدگی سے کہتے گھر کے عین سامنے ، گیٹ کے سامنے جا کھڑا ہوا، اب وہ بہت غور سے ہر ایک کھڑکی کو دیکھ رہا تھا، کونسی کھڑکی کے ساتھ اوپر جانے کا راستہ بنا تھا، اور کونسی کھڑکی کے ساتھ نہیں، اسکی نظریں کسی ماہر ڈیٹیکٹیو کی طرح ہر زاویے پے گھوم رہی تھیں۔

وہ دبے پیر اسکے پیچھے آکھڑی ہوئی، یوں کے گھر کی طرف ھیلر کا رخ تھا، اور وہ اسکی اوٹھ میں کھڑی تھی۔وہ اسکے پیچھے جیسے چپ سی گئ ہو۔
"کم آن " وہ اسے کہتا گیٹ کے اوپر چڑھ بیٹھا۔

وہ وہی روہانسی شکل بنائے کھڑی رہی۔اسنے ہلکے سے اسکی طرف گردن گھمائی جو ہنوز ویسے ہی خاموشی سے کھڑی تھی،اسے دیکھتے اسنے ایک ٹھنڈی سانس فضا میں خارج کی، پھر تیزی سے وہ نیچے اترتا اس تک آیا۔

"اب میں جو کرنے جارہا ہوں اس پر بلکل بھی واویلا کرنے کی ضرورت نہیں"۔ہلکی آواز میں اسے وارن کرتا وہ اسکا ہاتھ تھام چکا تھا ، اسکا ہاتھ تھامے اسے لیے گیٹ تک آیا اسے دونوں کندھوں سے تھام کر اوپر کو اٹھاتے وہ اسے گیٹ پہ بٹھا چکا تھا لمحوں کا کام وہ چند سیکنڈز میں کرچکا تھا ،وہ حق دق اسے دیکھے گئ۔

"موو ، دوسری طرف جمپ کرو یوں کے تمہارے قدموں کی آواز نا آئے"۔وہ اسے گائیڈ کر رہا تھا۔

"نہیں بلکہ رُکو"۔

وہ جو جمپ کرنے لگی تھی ایک دم رک کے اسے دیکھنے لگی ، وہ بہت مہارت سے دوسری جانب سے آکر گیٹ پہ بیٹھ گیا، اب دونوں کا رخ ایک دوسرے کی جانب تھا، دونوں گیٹ پہ آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

" اپنی دوسری ٹانگ گھر کے اندرونی طرف لٹکاو"۔وہ اپنی ٹانگ بھی اس جانب کرتا اسے حکم دیتے ہوئے بولا

اس معاملے میں وہ خاموشی سے اسکی سن رہی تھی۔جانتی تھی وہ ان کاموں میں اناڑی جو تھی ، اس لیے شرافت کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہ فلحال اس بندے کی ماننے پہ مجبور تھی، وہ بلکل اسی طرح بیٹھ گئ جسطرح وہ بیٹھا تھا، ان دونوں کا رخ گھر کے اندرونی حصے کی جانب تھا، اسنے اسکا ہاتھ تھاما، اور اسے لیے اتنی برق رفتاری سے نیچے کھودا کے ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں ماہ نور کا تو سر ہی چکرا گیا تھا۔

وہ بنا آہٹ کیے اب گھر کے اندرونی حصے میں کھڑے تھے، ایک جانب سرسبز لان تھا، جسے خوبصورتی سے مزین کیا گیا تھا۔اور دوسری جانب پورچ تھا، جس میں انکی گاڑیاں کھڑی کی گئ تھیں ، اور سامنے ہی اندرونی گیٹ تھا۔

"افففف۔میری ٹانگیں"۔وہ اپنے دونوں گھٹنوں پر ہاتھ رکھے درد سے بڑبڑائی۔

وہ جو دوسری منزل پر بنی کھڑکی کا جائزہ لے رہا تھا۔اسکی آواز پر ایڑھیوں کے بل گھوم کے مڑا۔

"خود کو شیرنی کہتی ہو تو شیرنی بننا بھی سیکھو"۔اس پر گہرا طنز کرتے وہ پھر سے مصروف ہو گیا۔

"تم۔۔۔تمہاری زبان آج کچھ زیادہ ہی نہیں چل رہی ؟" وہ سیدھی کھڑی ہوتی قدرے اونچا سا بولی۔

اسنے ہڑبڑا کے اسے دیکھا۔

"آہستہ بولو کیوں پورے گھر کو اٹھانا چاہتی ہو"۔ماسک سے جھلکتی آنکھوں میں خفگی اتری۔

"خود کو سپرمین سمجھتے ہو تو بننا بھی سیکھو ، زرا سی اونچی آواز سے ڈر کیوں گئے"۔نزاکت سے ہاتھ جھلاتی وہ اسکا منہ بند کرچکی تھی۔

"یہ بدلا لینے کا کونسا وقت تھا؟ تمہاری اس بیوقوفی سے کوئی اٹھ بھی سکتا تھا"۔کسی بھی بات کا اثر لیے بغیر وہ ڈھٹائی سے بولا۔

کچھ پل رک کے ماہ نور نے اسکی آنکھوں میں دیکھا۔

وہ ڈھیٹ نہیں تھا، وہ بلا کا ڈھیٹ تھا، جس پہ کسی بات کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا، بے نیازی سے کندھے اچکا کر وہ اسکے سایڈ سے نکل کہ دوسری منزل پر موجود ادھ کھلی کھڑکی کی جانب بڑھا۔ اسنے دیکھا ایک پائپ بلکل اسی کھڑکی تک جارہا تھا، وہ اسے چڑھ کے ہی گھر میں گھس سکتے تھے۔

"سنو ہمیں اس پائپ سے چڑھ کے اوپر جانا ہے، چڑھ لوگی ؟" اب کے لہجے میں بلا کی چاشنی گولے وہ نرمی سے اس سے پوچھ رہا تھا۔

"ظاہر ہے چڑھ لوں گی"۔ اسکی نرمی کا زرا سا بھی نوٹس لیے بغیر وہ تیز لہجے میں بولتی ایک دم اسکے سامنے آئی، اور چیلنج کرتی آنکھوں سے اسے دیکھتی مسکرائی۔

(تم مجھے جانتے نہیں ہو ھیلر، میں بن باب کے بڑی ہوئی ہوں، سخت سے سخت کام بھی مجھے توڑ نہیں سکتا، میری ہمت نہیں توڑ سکتا، نجانے کیوں تم وہ پہلے شخص ہو جس کے سامنے میں اتنے نخرے کرجاتی ہوں۔ میں خود بھی نہیں جانتی۔) وہ دل ہی دل میں خود سے مخاطب تھی، آنکھیں ہنوز اس شخص کی آنکھوں پر جمی تھیں۔

اسے یوں خود کو تکتا پا کر ھیلر کو احساس ہوا، اسکی آنکھوں کے کنارے بھیگ رہے ہیں، جنہیں وہ سختی سے روکے ہوئے تھی۔

"ماہ نور " وہ بے ساختہ اسے اسکے نام سے پکار چکا تھا۔

"میرے ساتھ رہو، میں تمہاری مدد کرنے کے لیے یہاں پر موجود ہوں، خود کو انگنت سوچوں سے مت تھکاو " اپنی نیلی آنکھوں کو بند کرکے کھولتے وہ نرم لہجے میں اسے اپنے ساتھ سے آگاہ کرچکا تھا۔

اسنے ایک دم گبھرا کے اپنی آنکھوں کا رخ موڑا

آہ اسے کیسے پتا چلا میں کچھ سوچ رہی تھی۔

"پریشان نہ ہو ، جب انسان ایک ہی نکتے پر کئ گھنٹے اپنی نظریں مرکوز کیے رکھتا ہے۔تو اسکا صرف ایک ہی مطلب نکلتا ہے کہ اسکا ذہن حاضر نہیں ہے۔۔۔"وہ شرارت سے کہتا اچک کے پائپ پہ چڑھ چکا تھا۔

"افف اففف یہ بندہ۔۔۔۔۔"

"سنو کہی تم نے میرے دماغ میں کوئی ٹریسر تو نہیں لگا رکھا"۔وہ اسے گھور کے بولی۔

اسکی بے تکی بات پہ وہ پائپ چڑھتے بے آواز ہنسا اسکی ماسک سے جھلکتی آنکھیں مزید چھوٹی ہوئی۔

وہ بھی اسکی پشت کو گھورتے ہوئے اسکے پیچھے پیچھے پائپ چڑھنے لگی۔

"نہیں میں دماغ میں نہیں سیدھا دل میں ٹریسر لگاتا ہوں"۔بے تکی بات کا نہایت بے تکا سا جواب دیتے وہ بے آواز دل کھول کے ہنس دیا۔

"اسٹوپڈ۔"وہ بھی اسے زیرلب لقب سے نوازتی احتیاط سے اوپر کو چڑھ رہی تھی۔

مطلوبہ منزل پر پہنچتے اسنے دھیرے سے کھڑکی کے کھلے پٹ مزید وا کیے، یہ وہی کمرہ تھا ،ماہ نور کے تایا تائی کا ، دو نفوس بیڈ پر بہت گہری نیند میں سوئے ہوئے تھے ،وہ آہستگی سے اندر داخل ہوتا ،دوبارہ سے کھڑکی پہ جھکا۔
ماہنور کی طرف ہاتھ بڑھاتے ، احتیاط سے اسے اندر کیا۔وہ دبے قدموں چلتے دروازے کی جانب بڑھے۔

"کیا تمہیں پورا یقین ہے؟ فائل سٹڈی روم میں ہے؟" انکے کمرے سے نکلتے اسنے سرگوشی میں پوچھا۔

"ہاں میں نے خود تایا کو وہ فائل وہاں رکھتے ہوئے دیکھا تھا"۔اسے سرگوشی میں ہی جواب دیتے وہ دھیمے قدم اٹھاتی آگے آگے چل رہی تھی۔

"اسٹرینج کوئی اتنی اہم فائل یوں ایک دراز میں کیسے رکھ سکتا ہے"۔اسے جیسے ماہ نور کے تایا تائی کی عقل پہ بہت افسوس ہوا تھا۔

"تمہاری باتیں مجھے شک میں مبتلا کرتی ہیں ھیلر بے،تم مجھے کسی جاسوس سے کم نہیں لگتے"۔وہ سامنے چلتی ہوئی دھیرے سے بڑبڑائی۔

"اس سے کم میں لگنا بھی نہیں چاہتا"۔کتنا ڈھیٹ تھا وہ۔

مطلوبہ جگہ پر پہنچتے ، وہ ایک دم سنجیدگی سے ہر چیز کا جائزہ لینے لگا ،اپنے بیگ پیک سے اپنی ٹارچ نکالتا وہ اتنی بڑی سٹڈی روم کا تنقیدی نگاہوں سے جائزہ لینے لگا۔

جبکہ وہ اپنے ہاتھ میں ٹارچ پکڑے پریشانی سے اس دراز کو کنگال رہی تھی ، جہاں اسنے وہ فائل دیکھی تھی۔

"تھی" پر اب موجود نہیں ہے۔

"اففففف کہاں گئ وہ فائل"۔ جھنجھلا کر زور سے دراز بند کرتے ہوئے وہ اونچا بولی۔

وہ جو ٹارچ لیے سنجیدگی سے بک شیلف کا جائزہ لے رہا تھا، اسکے یوں کرنے پہ ہڑبڑا کر مڑا ، اور ساتھ ہی قدموں کی آواز آنے لگی ، جیسے کوئی اسی طرف آرہا ہو، وہ جو اونچا بول کے وہی کھڑی تھی ، جامد و ساکت جیسے پکڑی جانے لگی ہو ، ھیلر نے تیزی سے آگے بڑھ کے اسے تھاما اور منہ پر ہاتھ رکھتے ، اسے لیے سٹڈی ٹیبل کے پیچھے جھک گیا، ہاتھ سختی سے اسکے منہ پر دھرے تھے ،ماہنور کا دل کانوں میں دھڑک رہا تھا ،قدموں کی آواز اب قریب تر ہوتی جارہی تھی۔

ھیلر کے وجود سے اٹھتی وہ دلفریب کلون ماہ نور کو حواس باختہ کیے ہوئے تھی، وہ جو اسکے منہ پر اپنا ہاتھ رکھے ہوئے تھا، اسکا دل بھی زور سے دھڑک تھا، جیسے ابھی باہر آجانا چاہتا ہو، خوف سے نہیں کسی کے آنے کے خوف سے نہیں ، بلکہ اپنے دل کی بدلتی حالت سے وہ خوفزدہ تھا۔

"وہ جو کوئی بھی تھا ، اب شاید پلٹ چکا تھا، قدموں کی آواز دور ہوتی جارہی تھی، اسنے دھیرے سے اسکے منہ سے اپنے ہاتھ ہٹائے ، اور چار قدم دور ہوا ،وہ بے ترتیب سانسوں کو ٹھیک کرتی اسکی طرف مڑی۔

"شیرنی تم دماغ سے کافی کھسکی ہوئی خاتون ثابت ہوئی ہو"۔وہ خفگی سے بولا۔

"مائی فالٹ"۔وہ دھیمی آواز میں اپنی غلطی کا اعتراف کرچکی تھی۔

"فائل کو وہاں نا پاہ کر میں غصے میں آگئ تھی۔"وہ اسکی گھورتی نظروں سے حائف ہوتے ہوئے بولی۔

" تھوڑا جو تم صبر دکھا جاتی تو فائل ہمارے ہاتھ لگ ہی چکی تھی"۔غصے سے اسے کہتا وہ بک شیلف کو دھیرے سے پیچھے کرتا ایک سیف اسکے سامنے کرچکا تھا۔

"تم۔تمہیں کیسے معلوم ہوا یہاں سیف ہے ؟ " وہ کرنٹ کھا کر سیدھی ہوئی۔

."My mind , my style , i always love to solve the mysteries"

فخریہ انداز میں اپنی تعریف کرتا وہ سیف کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

"کوئی آئیڈیا ہے ذہن میں؟ اسکا کوڈ کیا ہو گا۔"

وہ فوراً آگے بڑھی اور دھڑکتے دل کے ساتھ ایک کوڈ ملایا۔

1509001

اور لاک کلک کی آواز سے کھل گیا۔

اسنے تیزی سے سیف کھولا اور ایک گہری سانس فضا میں خارج کی فائل وہی تھی، احتیاط سے فائل نکالتے اسنے ایک ایک پیپر کی تصدیق کی ،وہی پیپرز تھے جس کے بارے میں بات ہو رہی تھی ، خوشی سے دھمکتے چہرے کے ساتھ اسنے ھیلر کی جانب دیکھا ،وہ دلچسپی سے اسکے چہرے کے اتار چڑھاو دیکھ رہا تھا ،سب کچھ اپنی جگہ پر کرتے وہ جیسے آئے تھے ویسے ہی اس گھر سے نکل گئے۔

چند منٹ کی ڈرائیو کے بعد ھیلر نے اسکے گلی کے موڑ پر اپنی گاڑی روکی۔

"تم اپنے تایا تائی سے ناخوش لگتی ہو "چہرہ اسکی طرف موڑے اسنے سنجیدگی سے کہا۔

" نفرت کے قابل سمجھتی ہوں میں انہیں ، بہت جلد میری شادی ہونے والی ہے ، میں ان دوگلے رشتوں سے بہت دور چلی جاؤں گی، ہمیشہ ہہمشیہ کے لیے"۔نفرت آمیز لہجے میں کہتی وہ اسے کنگ کرگئ تھی۔

شادی؟ بوجھل ہوتے دل سے اسنے استفسار کیا۔

"ہاں ریحان بہت اچھا آدمی ہے ، عزت و احترام کے قابل ، میں اسکے ساتھ خوش رہوں گی" یہ کہتے وہ گاڑی سے اتری۔

شکریہ ھیلر تم ہمیشہ میرے بہت کام آئے ہو، بہت شکریہ۔تشکر سے اسے کہتی وہ بھارے ہوتے دل سے مڑ گئ۔

آج وہ کچھ نا بول سکا اسکے ذہن میں ایک ہی فقرہ گونج رہا تھا۔

"ہاں ریحان بہت اچھا آدمی ہے ، عزت و احترام کے قابل ، میں اسکے ساتھ خوش رہوں گی"۔

"اچھا مائی فٹ"۔بڑبڑا کر کہتا وہ گاڑی سٹارٹ کرچکا تھا ، دیکھ لے گا وہ اسے بھی۔

****

دن یونہی ڈھلتے گئے ، دلاور نے اپنی دیگر فیکٹریز کی سیکیورٹی تین گناہ بڑھادی تھی ، وہ ہر گزرتے دن پہلے سے زیادہ محتاط رہنے لگا تھا ، اسکا کہنا تھا،اس بار وہ لڑکا اسے نقصان نہیں پہنچا سکے گا ، ان گزرتے دنوں میں جہاں دلاور نے ھیلر کے خلاف اقدامات اٹھائے تھے۔۔

دوسری جانب وہ اسکا دھیان بھٹکانے میں کامیاب ہوچکا تھا، وہ جو بات کرتا تھا ، اسے کر گزرتا تھا، وہ واقعی میں لوگوں کو ان ہی کی زات میں الجھا کے مات دینے میں ماہر تھا، وہ دلاور خان کا دھیان ان ہزاروں لڑکیوں کی جانب سے ہٹانے میں کامیاب ہوچکا تھا، جنہیں وہ اتنے سالوں بعد دوسرے ممالک فروخت کرنے والا تھا، شرجیل نامی شخض نے اپنا منہ کسی طور پر نہیں کھولا تھا، مس ایل اور ھیلر کے لاکھ دھمکانے کے باوجود وہ اپنے مالک کا وفادار کتا ثابت ہوا تھا ، وہ کسی بھی صورت کچھ بھی بتانے کو رضامند نہ تھا، جہاں دلاور فیکٹری کو لے کر پریشان تھا، وہی وہ رات کے اندھیرے میں چپکے سے اسکے مینشن میں گھس کے اسکے خلاف تمام ثبوت اکھٹے کرنے لگا، وہ ہر زور انکا تعاقب کرتا، بنا کسی چھاپ اور آہٹ کے ، اور

ایک دن جب دلاور فون پر کسی سے لڑکیوں کو اسمگل کرنے کا معائدہ کر رہا تھا، اسی دن اسکے سسٹم میں کوئی بگ ڈال کے ھیلر انکی لوکیشن جاننے میں کامیاب ہوگیا تھا اور دوسری طرف اسکا ذہن دوبارہ اسے بھٹکانے کے لیے ایک لائحہ عمل تیار کرنے لگا۔

ایک رات تین بجے جب دلاور اپنی خواب گاہ میں سلک کا نائٹ گاؤن پہنے خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا۔

اس رات اسکا موبائل زور و شور سے بجنے لگا، وہ کسمسا کے اٹھ بیٹھا ، سائیڈ ٹیبل پر دھڑا اپنا موبائل اٹھایا، جہاں کوئی غیرشناسا نمبر دکھائی دے رہا تھا، اسنے اچھنبے سے اسکرین کی جانب دیکھا اور پھر وال کلاک کی جانب نظر ڈالی جہاں رات کے تین بج رہے تھے۔

اسنے کال یس کی اور اسپیکر پہ ڈالی۔

"آدھی رات کو اتنی بے خبر نیند اچھی نہیں ہوتی ڈی کے"۔

اسپیکر میں اسکی شرارتی آواز گونجی۔

"تم نے یہ کہنے کے لیے میری نیند خراب کی ہے ؟" اسکے لہجے میں واضع ناگواری تھی۔

" نہیں تمہیں خبردار کرنے کے لیے ، کہ اتنی بے خبری تمہارے لیے وبالِ جان بن سکتی ہے"۔

"میں ہر معاملے سے باخبر ہوں"وہ زور دے کہ بولا۔

"اپنے الفاظ اچھے سے یاد رکھ لو، کچھ دن بعد تم اپنے انہی الفاظوں کو یاد کرکے پچھتاو گے"۔وہ اسکو الجھن میں ڈال کے کھٹاک سے فون بند کرگیا۔

"کچھ دن ؟"اسکا دماغ بھک سے اڑا۔

کیا وہ اسکی فیکٹری تباہ کرچکا تھا، یا کرنے والا تھا۔

اسکی پیشانی پر ننھنی ننھنی پسینے کی بوندیں چمکنے لگی۔

اسنے جلدی سے شرجیل کو کال ملائی۔

?Sharjeel ? Is everything is in under control

اسنے چوٹتے ہی سوال کر ڈالا۔

Let me check ,sir

شرجیل کی نیند میں ڈوبی آواز دلاور کے کانوں میں پڑی۔

.Yes , sir everything in under control

تھوڑی دیر بعد اسکی آواز دوبارہ گونجی۔

دلاور نے گہری سانس ہوا کے سپرد کرکے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر اپنا فون رکھا ، اور ایک گلاس پانی کا اٹھا کے لبوں سے لگایا۔(جو اسکی سائیڈ ٹیبل پر ڈھرا تھا)

****

دوسری طرف اپنے بیسمینٹ میں موجود بلیک ہُڈ سر پہ گرائے ، آنکھوں پہ موٹا گول فریم والا نظر کا چشمہ لگائے ، اپنے سامنے ڈھیروں کاغذ ، لیپ ٹاپ، کافی کا آدھا مگ رکھے وہ ایک خالی کاغذ پر محو سی چند لکیریں کھینچنے لگی۔اور ایک جگہ کو ہائی لائٹر سے ہائی لائیٹ کیے ، ایک فاتحانہ مسکراہٹ ان کے لبوں پہ بکھری ، کاغذ کو سامنے پڑی میز پر رکھتے ، انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ باہم پھنسائے اور اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے سے مس کرکے انکے زور دار کڑاکے نکالے، جیسے بہت تھکان کے بعد یہ عمل دہرایا گیا ہو۔

سامنے ایک جگہ کا نام اس سفید کاغذ پر ہائی لائیٹڈ ہوا پڑا تھا۔

.I can do anything for the sake of my girls

وہ ایک عزم سے بولیں۔

" ھیلر بے ایک جگہ تم سہی تھے ، اور ایک جگہ میں غلط ، ایک جگہ تم غلط ہو اور میں سہی"۔

" میں تمہاری زاتیات کو کھوجنے نکلی تھی ، یہ میری غلطی تھی ، اور میں اپنی غلطی تسلیم کرتی ہوں، لیکن یہ مشن تم اکیلے سر نہیں کرو گے، اس پر میرا بھی اتنا ہی حق ہے ، جتنا کے تمہارا، تمہیں میری مدد نہیں چاہیئے ٹھیک ، لیکن ایلبرڈ کبھی اپنے حق سے دسبردار نہیں ہوئی، جہاں ہماری کہانی شروع ہوئی تھی، ٹھیک وہاں تم نے کہا تھا "
"مس ایل مشن پر فوکس کریں آپ جانتی ہیں ناں یہ مشن آپ کے اور میرے لیے کتنا ضروری ہے "۔ان کی آنکھوں میں یہ سب دہراتے ہوئے نمی جھلکی۔

"یہ مشن ہم دونوں کے لیے ضروری ہے تو اسے تم اکیلے کیسے کرسکتے ہو؟ ہاں؟ کیسے ؟ انگلی کی مدد سے آنکھ کا کنارہ صاف کیا۔

"میرے لیے آج بھی یہ مشن اتنا ہی ضروری ہے جتنا کے پہلے تھا۔

"فرق صرف اتنا ہے پہلے ہمارا راستہ ایک تھا اور منزل بھی ایک تھی، اب ہمارے راستے جدا ہیں لیکن منزل ایک ہی ہے"۔

"کچھ دن بعد تمہاری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تمہارا سامنا کروں گی ھیلر ، میں چھپ کہ خاموشی سے بیٹھنے سے بہتر موت کو گلے لگانا پسند کروں گی۔۔۔
کچھ دن بس۔۔۔۔کچھ دن۔۔۔۔

****

بلآخر اتنے دنوں بعد آج وہ رات آچکی تھی، جس کا بے صبری سے ان دونوں نے انتظار کیا تھا۔

وہ شیشے کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا، ایک الوہی سی چمک تھی اسکے چہرے پہ وہ اپنی وہی بلیک ہڈ پہنے سر پہ کنگی پھیر رہا تھا۔

(وہ شیشے کے سامنے کھڑی تھیں ، چہرے پر ایک الگ قسم کا اطمینان تھا، بلیک ہڈی 'جینز پہنے ، مسکرا کر اپنے باب کٹ بالوں کو جوڑے کی شکل میں باندھنے لگیں۔)

اسنے ہیر برش ڈریسنگ پر رکھا'ڈریسنگ پر پڑی اپنی قیمتی گھڑی اٹھائی اور مہارت سے اپنی دائی کلائی پر باندھنے لگا۔

(بالوں کو جوڑے کی شکل دینے کے بعد ، انہوں نے وہی پڑی سرخ لپ اسٹک اٹھائی ، اور مہارت سے اپنے لبوں پر تراشنے لگیں۔)

گھڑی باندھتے اسنے اپنی پی کیپ اٹھائی ، اور سر پہ پہنی ، یوں کہ اسکا آدھا منہ چھپ گیا اور لب نظر آنے لگے بس۔

(لپ اسٹک لگانے کے بعد ، انہوں نے ڈریسنگ پر پڑی لیڈی پرفیومز میں سے ایک اٹھائی ، اسکا ڈھکن اتارتے نزاکت سے اپنے اوپر چھڑکنے لگیں۔)

ماسک اٹھا کے لگایا، پھر اپنی وہی مخصوص گلاسس لگائیں ، بے اختیار اسنے کانوں میں ایک آلہ لگایا ، پھر ایک مکمل نظر اپنے حلیے پر ڈالی۔

(پرفیوم رکھتے اپنی گلاسس اٹھائی ، کانوں میں آلہ لگایا ، اور اپنے سر پر بلیک ہڈ گراتی مسکر کر اپنے حلیے پر ایک گہری نگاہ ڈالی۔

اب وہ مڑا ، اور بیڈ پر رکھے اپنے بیگ پیک میں ضروریات کی تمام اشیاء تیزی سے ڈالنے لگا ، تمام اشیاء رکھتے اسنے بیگ پیک کی زپ بند کی ، بیڈ پے بیٹھ کر اپنے پاس پڑی ریوالور اپنی ساکس میں جوتوں کے پیچ گھسائی، تمام تیاری کے بعد ،اس نے ایک گہری سانس خارج کی ، کندھوں پر بیگ اڑسائے وہ اٹھ کے دوبارہ آئینے کے سامنے آکھڑا ہوا ،اسنے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کے آہستگی سے ایک سرگوشی کی تھی۔

(کندھے پر اپنا بیگ پیک لٹکاتی وہ شیشے کے سامنے کھڑی تھیں۔خود سے ایک میٹھی سرگوشی کرتے وہ مڑی۔اور اپنے قدم باہر کو بڑھانے لگیں۔)

وہ سر پر ہیلمنٹ پہنے بائیک پر سوار ہو رہا تھا، اسنے ہاتھوں کی مدد سے بائیک کو ریس دی۔

(وہ ایک ٹانگ ہوا میں اڑاتی بائیک پر سوار ہوئیں تھیں، ہاتھوں کی مدد سے ریس دینے لگی۔)

"ایک"۔ریس دیتے وہ گنتی لکرنے لگا۔

("دو" دونوں ہاتھ پر دباؤ ڈالتی مزید ریس دی۔

"تین "۔ دونوں ہاتھ سے ریس دی۔ آنکھوں کے سامنے بوڑھی خاتون کا چہرہ لہرایا (وہ انہیں مس کررہا تھا۔)اور پھر بائیک جہاز کی طرح سڑکوں پر سفر کرنے لگیں۔

دوسری طرف وہ دونوں ہاتھوں سے بائیک کو ریس دیتی ، بائیک ہوا میں لے اُڑیں۔

****

وہ کسی بندرگاہ کا منظر تھا ، آس پاس سینکڑوں رنگ برنگے کنٹینرز رکھے گئے تھے ، پانی میں موجود بحری جہاز تیار کیے جارہے تھے، ان میں سے کچھ کنٹینرز بیرونی ملک الیگل طریقے سے بھیجے جانے تھے، ان کنٹینرز میں ہزاروں کی تعداد کے حساب سے لڑکیاں قید تھیں، دلاور خان پچھلے کئ سالوں سے الیگل طریقوں کے ذریعے پیسہ کما کر ملک کے امیر ترین لوگوں میں شمعار کیا جانے لگا تھا، وہ چند سال ہزاروں کے حساب سے لڑکیاں اغواہ کرواتا، اور جب انکی تعداد ہزاروں میں ہوجاتی وہ انہیں آگے بیرونی ملک بیچ دیتا ، اب بھی کئ سالوں بعد کل یہ بحری جہاز لوڈ ہوکے بیرونی ملک روانہ ہونے تھے، بندرگاہ بہت وسیع تھا، قطار در قطار کنٹینرز رکھے گئے تھے۔

اور اسی بندرگاہ کے دوسرے سرے پر وہ کھڑا تھا ، منہ میں چینگم چُباتے، دائیں کندھے پر اپنا بیک پیک لٹکائے، دونوں جیبوں میں اپنے ہاتھ اڑسائے، اپنی مخصوص گلاسس کے ساتھ اردگرد کا جائزہ لیتے ہوئے۔

مخالف سمت میں وہ کھڑی تھیں ، بے نیازی سے اردگرد کا جائزہ لیتیں۔کندھے پے ہینڈ بیگ لٹکاتی، آُنکھیں پرسکون تھیں ، اور زہانت سے اردگرد کا جائزہ لے رہی تھیں۔

گارڈز کی نفری دیکھتے وہ مسکرایا تھا، اس کے پاس جو انفارمیشن تھی، اس حساب سے یہاں ہزاروں کے حساب سے گارڈز کی نفری موجود تھی، جبکہ اب گارڈز کا دستہ تقریباً تین سو سے بھی کم تھا۔

"ناٹ بیڈ"۔وہ ہلکا سا بڑبڑایا۔

(میری تحقیق کے مطابق یہاں پر ہزاروں کے حساب سے گارڈز موجود تھے، اب فقط تین سو سے بھی کم معلوم ہورہے ہیں۔"وہ قدرے مایوس ہوئیں تھیں، پھر انکی آنکھیں چمکی۔

"آہ کیا اچھی قسمت پائی ہے " گارڈز کی کمی کو دیکھتے وہ چہک کر بڑبڑائی۔

"دوسری جانب وہ تھا وہ جو جوش سے نہیں ہوش سے کام لینا جانتا تھا۔"

"تین سو گارڈز کی نفری بھی کم نہیں ہوتی ، یہ آسان نہیں ہے لیکن ناممکن بھی نہیں ہے۔"

("میرے ذہین دماغ کے لیے یہ بہت آسان ٹاسک ہے۔")وہ بلی کی سی چال چلتی ایک کنٹینر کی اوٹھ میں ہوگئیں۔کنٹینر کے ساتھ لگتی وہ نیچے بیٹھ گئیں ، کندھے پر لٹکتے بیگ پیک کو زمین پر رکھا ، پھر اسکی زپ کھولتی وہ جلدی سے اپنا لیپ ٹاپ نکالنے لگی۔

کسی کے الفاظ مس ایل کے کانوں میں گونجنے لگے۔

" Distraction"

"جانتی ہیں ،مس ایل ڈسٹریکشن ایک بہت خطرناک لفظ ہے ، یہ آپ کو بلندی سے پستی ، اور پستی سے بلندی پر لے جاتا ہے ، اسکے دو پہلو ہیں مثبت اور منفی ،
منفی یہ آپ کی اپنی ذات کے لیے ثابت ہوتا ہے ، کبھی بھی اپنی ذات پر یہ لفظ لاگو نہیں کرنا چاہیے ، اپنے کام سے ہلکی سی ڈسٹریکشن آپکو بہت بڑا نقصان پہنچا سکتی ہے ، سو زندگی میں کبھی بھی کسی بھی

اہم معاملے میں اپنا دماغ ایک سیکنڈ کے لیے بھی کسی اور جگہ ہرگز نہیں چوکنے دینا ،یہ آپکے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا ہے "

۔

وہ ہنوز لیپ ٹاپ پر تیزی سے اپنی انگلیاں چلاتی یہاں کا سیکیورٹی سسٹم جیم کرنے لگی ، وہ خوبصورت پرسکون آواز اب تک کانوں میں گونج رہی تھی۔

" اسکا مثبت پہلو جانتی ہیں کب استعمال کیا جاتا ؟"

اسکی آواز یہاں مسکرائی تھی، اور وہ اس مسکراتی آواز کو اب بھی اپنے کانوں میں یونہی محسوس کرسکتی تھیں ، وہ بھی ہلکا سا مسکرائیں۔

"اپنے دشمن کے معاملے میں، ہمارے دشمن ہمیں گرانے میں اتنا محو ہوجاتے ہیں کے وہ اپنے رقیب کی ہر اگلی چال پر کھڑی نگاہ رکھے ہوتے ہیں ، ایسے میں جب ہم انہیں ڈسٹریکٹ کرتے ہیں تو وہ اپنی تمام تر توانائی لگاکے ہمیں روکنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر جب وہ بری طرح چال میں پھنس جاتے ہیں تو وہ ہار جاتے ہیں"۔

"جہاں آپ تعداد میں کم ہو ، وہاں آپ کا سب سے بڑا ہتھیار آپکا دماغ ہوتا ہے ،پہلے ارد گرد کا جائزہ لیں پھر سوچ سمجھ کر اپنی چال چلیں"۔

وہ سر پہ ہڈ گرائے کنٹینرز کہ ساتھ لگیں دھڑا دھڑ کی بورڈ پر تیزی سے انگلیاں چلا رہی تھیں۔

اندھیرے میں لیپ ٹاپ کی روشنی انکے چہرے کو واضع کیے ہوئے تھی، وہ مسکرا کر لفظ ڈسٹریکشن پر اپنا کام کر رہیں تھیں۔

دوسری طرف وہ تھا، چیتے کی سی چال چلتا ، تیزی سے بے شمار کنٹینرز کے بیچوں بیچ گزرتا ، فائر الارم تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔راستے میں آتی ہر رکاوٹ کو پار کرتا، وہ تھا ہر ایک سے لڑ جانے والا، اپنے ملک کی عزتوں کو بچانے کے لیے ہر حد پار کر دینے والا۔

(کی بورڈ پہ دھڑا دھڑ انگلیاں ویسے ہی چل رہیں تھیں،تیزی سے، نظریں اسکرین پہ جمی تھیں، اور ہاتھ کی بورڈ پر تیزی سے حرکت کرنے میں مصروف تھے)

وہ بلآخر فائر الارم تک پہنچ چکا تھا ، تیز بھاگنے کی صورت میں اسکا تنفس بگڑ چکا تھا ،وہ سرخ بٹن دبانے کے قریب تھا۔

(دوسری طرف انکے حرکت کرتے ہاتھ رکھے بس ایک کلک کی دوری تھی، انکا ہاتھ Enter کرنے کو بے تاب تھا)

انہوں نے ٹائم دیکھا پھر اپنا سر کنٹینر سے نکال کے ایک خاموش گہری نظر اطراف میں گھمائی۔

اسنے پہلے ٹائم دیکھا، پھر گارڈز کو پرسکون کھڑے دیکھ کے مسکرایا۔(اسے اِنکا سکون بہت مزہ دے گیا تھا)۔

"کلک"۔

"کلک"۔

بیک وقت دونوں جانب سے کلک ہوا تھا۔

بندرگاہ کا منظر یکدم بدلا تھا، پورے سارے میں فائر اور پولیس سائرن بیک وقت زوروشور سے بجنے لگے تھے۔وہاں بھگدڑ سی مچ چکی تھی، گارڈز بوکھلا کہ ایک دوسرے سے ٹکرائے معمالے کی سنگینی کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگے۔

کنٹینر کی اوٹھ میں چھپی مس ایل، اور فائر الارم کے پاس کھڑا ھیلر بیک وقت چونکے تھے۔

پولیس سائرن کس نے بجایا۔
(یہ فائر الارم کس نے کیا)
یہ کوئی ٹریپ ہے۔
(یہ کوئی ٹریپ ہے)
کوئی اور بھی یہاں موجود ہے۔
(وہ یہاں موجود ہے) ہیکنگ کوئین بات کی تہہ تک پہنچ چکی تھی۔

چند گارڈز بندرگاہ کی دائیں جانب ، جبکہ چند گارڈز بندرگاہ کی بائیں جانب کو دوڑے تھے، کیونکہ بیک وقت دو مخالف سمتوں سے دو مختلف سائرن بجے تھے۔

بندرگاہ کے دائیں جانب بنے فائرالارم کے پاس کھڑا ھیلر، اور کنٹیئر کی اوٹھ میں چھپی بائیں جانب مس ایل، دو مختلف سمتوں میں بھاگے تھے۔

وہ چیتے کی سی چال چلتا، بڑے بڑے قدم اٹھاتا ، بھاگ رہا تھا، تیزی سے، پوری طاقت سے ، اسکے پیچھے بیس تیس گاردز تھے، جو یقیناً اسے دیکھ چکے تھے اور اپنے ہاتھوں میں اسلحہ اٹھائے وہ اسکے پیچھے بھاگ رہے تھے، جو اندھیری رات میں کالے ہیولے کی مانند تھا، جو پل میں نظر آتا، اور پل میں غائب ہوجاتا، جیسے کوئی invisible شے ہو، جو کچھ دیر آپکو نظر آئے، اور اگلے پل غائب، اسکی رفتار تیز تھی، ان گارڈز سے وہ بہت آگے تھا، انکی پہنچ سے دور، تیزی سے بھاگتا ہوا۔

دوسری طرف وہ بلی کی سی چال چلتی، تیزی سے ایک کنٹینر سے دوسرے کنٹینر پر کودھ رہیں تھیں، انکی رفتار تیز تھی، جیسے کسی بلی کی چال ہو، احتیاط سے قدم اٹھاتی وہ ان گارڈز کو چکما دینے میں کامیاب ہوچکی تھیں۔وہ انسے دور تھیں، انکی پہنچ سے،۔بہت دور۔

وہ لپک کر ایک کنٹینر کے اوپر چڑھا، جھک کے بیٹھا، اپنی ٹانگ سے پستول باہر نکالی ، پھر تیزی سے اٹھتا وہ کنٹینرز کے اوپر ہی بھاگنے لگا۔

وہ رکی، اپنے کندھے پر لٹکتے بیگ پیک میں سے اپنی پستول نکالی، پھر بیگ پیک کو واپس کندھوں پر اڑساتی وہ دوڑی۔سپیڈ سے جتنا تیز وہ بھاگ سکتی تھیں۔بھاگیں۔

اسکے پیچھے بھاگتے گارڈز بھاری اسلحہ اٹھانے کے باعث تھک چکے تھے، انکی سانسیں پھول رہی تھیں، مگر وہ اب اسے دیکھ سکتے تھے، جو اسکی طرف پیٹھ کیے کھڑا تھا، یوں کے پیچھے سے اسکی کالی سیاہ ہڈ واضع دکھائی دے رہی تھی، سر پر گری ہڈ، اور دائیں ہاتھ میں وہ پستول تھامے کھڑا تھا۔

گارڈز کچھ فاصلے پے کھڑے اسکی پشت کو گھور رہے تھے، ان سب نے اس پر اپنی گن تانی، وہ ایک پوزیشن میں کھڑے اس کی پشت پر گن تانے ہوئے تھے، اور وہ بے نیازی سے سامنے کی طرف دیکھ رہا تھا، جہاں اسے اچانک کوئی ہیولہ اپنی طرف آتا ہوا محسوس ہوا۔

وہ تیزی سے دوڑتی، اس سمت آرہی تھیں، بلیک ہڈ' بلیک ماسک 'محضوص گلاسس' وائٹ جاگرز' کندھے پر لٹکتا بیگ ، بلاشبہ وہ پہلی ہی نظر میں انہیں پہچان چکا تھا، وہ اسکے عین سامنے آکھڑی ہوئیں۔

اب وہ ایک دوسرے کے مقابل کھڑے تھے، آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے وہ پولیس سائرن کی کہانی سمجھ چکا تھا۔

گارڈز انکے اردگرد گول دائرے میں انہیں گھیرے کھڑے تھے، اور وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے، ایک کی آنکھوں میں شاک تھا، تو دوسرے کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں، اسنے دیکھا مس ایل کے ہاتھ سے خون کی ننھی بوندیں ٹپک رہی ہیں، یقیناً انکا ہاتھ کہی زخمی ہوا تھا۔ پھر ایک نظر

اپنے اردگرد ڈالی ،وہ دونوں درمیان میں کھڑے تھے،اور انکے اردگرد وہ سب اسلحہ سے لبریز گارڈز کھڑے تھے۔

"وہ آپ تھیں؟ سائرن بجانے والی آپ ہی تھیں"۔جیسے وہ زیر لب خود سے بڑبڑایا ہو۔

"آپ یہاں کیا کر رہی ہیں مس ایل؟ "وہ دبے دبے غصے میں چلایا۔

"وہی جو تم کر رہے ہو۔"ہاتھ سے خون مسلسل رس رہا تھا، جیسے کوئی گرم لوہا لگا ہوں، انکا ہاتھ بری طرح زخمی تھا ، اور وہ ہر چیز سے بے نیاز تھیں ، اطمیان سے اپنی کالی آنکھیں ان نیلی آنکھوں پہ ٹکائے ہوئے۔

"میں نے آپ کو منع کیا تھا یہاں آنے سے' مجھے کسی کی ضرورت نہیں میں اپنی جنگ خود لڑ سکتا ہوں"۔ایک نظر انکے زخمی ہاتھ کو دیکھتے وہ برہمی سے بولا۔

وہ دونوں درمیان میں کھڑے تھے اردگرد موجود گارڈز کی نفری سے بے نیاز، زیادہ تر تعداد کو وہ گمراہ کرنے میں کامیاب ہوچکے تھے۔

"کس نے کہا تم سے ہاں؟ میں یہاں تمہاری جنگ لڑنے آئی ہوں ، نہیں ھیلر ، میں یہاں اپنے حصے کی جنگ لڑنے آئی ہوں ،کتنے خودگرز نکلے تم ، تم یہ کیسے بھول سکتے ہو کے یہ مشن میرے لیے بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا کے تمہارے لئے"۔وہ غرائی تھیں۔انکا ضبط جواب دے رہا تھا۔

جواب میں وہ بس خاموش نگاہوں سے انہیں دیکھتا رہا۔

"میری طرف اپنی بیک کریں"۔

"کیا؟ " وہ ہمیشہ الٹے جواب کیوں دیتا تھا، وہ کراہ کر رہ گئیں۔

"اولڈ لیڈی، اپنی کمر میری کمر کے ساتھ ٹکائے، یوں کے ہم دونوں کی پشت ایک دوسرے کہ مخالف ہو، اب جب یہاں آہی گئیں ہیں تو میرا حکم مانیں ، اور"۔اسنے وقفہ دیا۔

"اپنے زخمی ہاتھ کا کم سے کم استعمال کیجیے گا"۔وہ آخر میں فکرمندی سے انکے ہاتھ کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"تم دونوں کون ہو اور کیا اس وقت سے ایک دوسرے کے کان میں کھسر پھسر کرے رہے ہو"۔ان میں سے ایک طیش میں آکے بولا۔

"کیا تمہارے نکمے باس نے میرے حلیے سے تم لوگوں کو آگاہ نہیں کیا ؟" وہ مسکرا کے اسکی طرف مڑا تھا۔اور مس ایل اسکی طرف پشت کیے کھڑی تھیں۔

ان دونوں کی کمر ایک دوسرے کے ساتھ جڑی تھی، اور دونوں نے ہاتھوں میں گن تھام رکھی تھی۔

وہ قدرے چونکے۔پھر لب کھولنے چاہے جب اسنے اکتا کر انہیں بیچ میں ہی روک دیا۔

"تمہارے مالک کے نام آج کی رات ہماری طرف سے حسین تحفہ"۔اسنے مسکرا کر یہ کہا۔

(TTTP" (Time To Take Position"

اسنے زیر لب ایک کوڈ دہرایا,ایسے جیسے کوئی کمانڈ دی ہو۔مس ایل مسکرائی انکی گرفت گن پر مضبوط ہوئی۔

اسنے مسکرا کر تھوڑا سا رخ موڑ کہ انہیں دیکھا، پھر واپس مڑتے اپنی انگلی ٹریگر پر رکھی۔

(TTS" (Time to shoot"

اور جیسے ہی اسنے ایک کوڈ بولا، مس ایل اور اسنے بیک وقت اپنے گھیرے میں کھڑے گارڈز پر فائرنگ کی برسات شروع کردیں، انکے سینے میں بے تحاشہ گولیاں پیوست کی، وہ دونوں ایک دوسرے کی کمر کے ساتھ کمر جوڑے ، لڑ رہے تھے ،اس اچانک افتدا پر ان میں سے کافی گارڈز اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے، چند ایک نے جوابی فائرنگ کرنا چاہی تو وہ دونوں فوراً ایک ساتھ نیچے کی طرف جھکے اور پھر ایک دوسرے کی پوزیشن چینج کرتے ایک بار پھر انہوں نے گولیوں کی برسات کردی۔اگلے ہی پل وہ بے رحمی سے انکا صفایا کرچکے تھے، وہ دونوں مسکرائے، فاتحانہ مسکراہٹ۔

اس سے پہلے باقی گارڈز کا دستہ یہاں نمودار ہوتا، وہ دونوں تیر کی سی تیزی سے مخالف سمت بھاگے، ھیلر دائیں اور مس ایل بائیں طرف۔

وہ جتنی تیزی سے دوڑ سکتا تھا دوڑ رہا تھا، وہ ایک ایک کنٹینر کو چیک کرتا جارہا تھا، دوسری طرف مس ایل بھی بہت تیزی سے ایک ایک کنٹینر کو بھاگتے ہوئے چیک کررہی تھیں۔
عمر پچپن سالہ تھی، لیکن بھاگنے میں وہ ایک ٹین ایجر لڑکی کو بھی مات دے سکتی تھیں، وہ عام ہرگز نہیں تھیں، وہاں سینکڑوں کنٹینرز موجود تھے، بندر گاہ بہت وسیع تھا، ایک ایک کنٹینر کو چیک کرنا دو بندوں کے بس کی بات نہیں تھی، تقریباً پندرہ منٹ کے بعد مس ایل نے اپنے کان میں لگے آلے سے ھیلر کو کمانڈ دی۔

"Stop"

انکی آواز سنتے اسکے بھاگتے قدم رکے تھے۔

"کیا ہوا مس ایل؟ " کنٹینرز کے بیچ و بیچ کھڑا وہ تعجب سے بولا۔

"ہم کچھ مس کر رہے ہیں ھیلر، لڑکیاں کنٹینرز میں نہیں ہیں، ہو ہی نہیں سکتیں، تم مجھے اسی جگہ ملوں جہاں ہم کچھ دیر پہلے کھڑے تھے"۔ جلدی سے اسے کمانڈ دیتی وہ اس سمت بھاگی تھیں۔

انکی بات سنتے وہ بھی تعجب سے اسی جگہ کی سمت بھاگنے لگا، چند سیکنڈز بعد وہ ایک بار پھر سے ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے تھے۔

"آپ ٹائم ویسٹ کروارہی ہیں ، لڑکیاں کنٹینرز میں ہی ہیں۔"وہ جھنجھلا کے انہیں دیکھتے ہوئے بولا۔

"تم میں اور مجھ میں ایک ہی فرق ہے ، تم جزبات سے کام لیتے ہو، کچھ سوچ سمجھے کوئی بھی فیصلہ کر گزرنے والے ، گہرا طنز کرتی وہ سانس لینے کے کیے رکی، اور پھر ایک انگلی سے اپنے دماغ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"اور میں یہاں سے سوچتی ہوں، ایک ہیکنگ کوئن کا سب سے بڑا ہتھیار اسکا دماغ ہوتا ہے۔"

انکے طنز پے اسنے اپنے لب او کی صورت میں جکڑے۔

ڈھیٹ تو وہ شروع سے ہی تھا، طنز کے تیر بے نیازی سے اگنور کرتے وہ انہیں گھور کے بولا۔

"اپنی تعریفوں کے پُل کسی اور اوقعات میں باندھ لیجیے گا ، جتنی آپ ذہین ہیں ، میں اچھے سے جانتا ہوں اور آپ کو سمجھتا ہوں، کام کی بات پر آئیں ہمارے پاس وقت نہیں ہے"وہ لاشعوری طور پر انہیں اپنے ساتھی ہونے کا اقرار کرگیا تھا، کتنی آسانی سے وہ "ہمارے" پہ آگیا تھا، وہ انکے ساتھ مستقل ناراضگی قائم نہیں رک سکا ، اپنے اندھیروں کی ساتھی سے کون ناراض رہ سکتا تھا۔

وہ اسکی اس ادا پر مسکرائی تھیں ،وہ ان گزرے سالوں میں اسکی ساتھی رہی تھیں، اسے اچھے سے جانتی تھیں ،طنز کرنا وہ پھر بھی نہیں بولا تھا۔

"دیکھو غور سے دیکھو ایک بندرگاہ پر الیگل طریقے سے دوسرے ممالک کچھ بھی بھیجنا ہو، تو وہ ایک خاص ٹائم پیریڈ میں بھیجا جاتا ہے، جس میں انکے پاس وقت کم ہو ، اور آسانی سے پوشیدہ شے نکال کر بحری جہازوں میں لوڈ کروایا جاسکے"۔

وہ بہت غور سے اپنی آنکھیں چھوٹی کیے انکی ایک ایک بات سن اور سمجھ رہا تھا۔

"اب دیکھو یہاں سینکڑوں کے حساب سے کنٹینرز ہیں اور بحری جہاز ہیں، تمہیں لگتا ہے؟ وہ اتنے کم ٹائم میں ایک ایک کنٹینر سے لڑکیاں نکال نکال کے بحری جہاز میں بھجوائیں گے، نہیں ہم یہاں چوک گئے ہیں، لڑکیاں کنٹینرز میں نہیں ہیں"۔
"تو پھر لڑکیاں کہاں ہیں؟"
وہ جو بہت غور سے سینے پہ دونوں ہاتھ باندھے انہیں سن رہا تھا بے ساختہ پوچھ بیٹھا۔

دل نہیں دماغ لڑاو ھیلر بے دماغ"۔میٹھا سا طنز کرتی وہ اپنی گلاسس سے پھر سے اس جگہ کی جانچ پڑتال کرنے لگی۔

"آپ سے زیادہ چلتا ہے میرا دماغ"۔وہ کڑھ کے بولا۔

"وہ تو میں دیکھ ہی چکی ہوں" مسکراتی آواز تھی۔

" Devastating old woman"

وہ بڑابڑا کے رہ گیا ، اور اپنی گلاسس لگائے وہ اب ایک ایک چیز کو بغور دیکھ رہا تھا، اسکا دماغ تیزی سے کام کررہا تھا، پھر اچانک اسکے مائنڈ میں کچھ کلک ہوا۔

اسنے مسکرا کے سامنے دیکھتی مس ایل کو دیکھا تھا۔

"لڑکیاں مل گئیں مس ایل"۔ مسکرا کے کہا گیا تھا۔

"ایں کہاں ہیں"۔وہ ایڑھیوں کے پل گھومی تھیں۔

"دل نہیں دماغ لڑائیں مس ایل دماغ۔" ماتھے پر انگلی سے دستک دیتے وہ جلتی پر تیل کا کام کر گیا تھا، انہیں ایک نظر مسکراتی آنکھوں سے دیکھتے وہ فائر الارم والی جگہ کی طرف دوڑا تھا۔

"احمق"۔ خفگی سے بڑبڑاتی وہ بھی اسکے پیچھے دوڑیں دونوں کے کندھوں پر بیگ پیک ہنوز قائم تھے ،وہ اپنا اپنا بوجھ اٹھانا جانتے تھے، اپنے بوجھ کے ساتھ سروائیو کرنا اس بے رحم زندگی نے دونوں کو اچھے سے سکھادیا تھا۔

وہ وہی اسی جگہ پر کھڑا تھا ،جہاں وہ چند لمحات پہلے گارڈز کو ڈسٹریکٹ کرنے کے لیے کھڑا تھا۔

"کہاں ہیں لڑکیاں؟ ہیں بھی یا نہیں ؟" وہ اسے مشکوک نظروں سے گھورتے ہوئے بولیں۔

"وہ سامنے دیکھیں"۔اسنے مسکرا کے ایک جانب اشارہ کیا۔

جہاں لائن میں تقریباً بیس پچیس لگژدی بسز کھڑیں تھیں ،ایک ساتھ، جیسے انہیں کچھ دیر پہلے ہی یہاں پر لا کے قطار میں کھڑا کردیا گیا ہو۔

مس ایل کے لب وا ہوئے، وہ بھی تو یہاں سے گزری تھیں، انکے زہن میں یہ خیال کیوں نہیں آیا۔

"کیونکہ آپ ھیلر نہیں ہیں مس ایل آپ بہت اہم پوائنٹس کو غیر اہم سمجھ کے نظر انداز کر جاتی ہیں، لیکن میں ہر ایک چیز کا باریک بینی سے جائزہ لیتا ہوں، اور دماغ کے ایک گوشے میں وہ سب کچھ فیڈ کرتا جاتا ہوں ، یہ میرا انداز ہے۔"کچھ دیر پہلے کا بدلہ وہ بہت خوبصورتی سے لے چکا تھا۔

"ہنہہ!! زیادہ بکو مت ، اور چلو"۔وہ بے تابی سے کہتی آگے بڑھنے لگیں، ایک ایک قدم انکے لیے بھاری تھا، بلآخر انکی تلاش ختم ہونے جارہی تھی، بلآخر آج مس ایل اپنی بیٹی کو ڈھونڈنے والی تھیں، بلآخر !

وہ آگے بڑھ رہی تھیں، لیکن وہ وہی کھڑا تھا، ایک قدم بھی اسنے آگے نہیں بڑھایا، اسکا دل ڈوب رہا تھا۔

"کیا انوشے اسکی گڑیا آج اسکے سامنے ہوگی؟ وہ اسے دیکھتے اسے بھیا کہہ کے پکارے گی؟ یا سیدھا گلے لگے گی ؟" دونوں کے دل بھاری ہورہے تھے، بے حد بھاری۔

مس ایل کچھ جانتی تھیں لیکن وہ اس بات کا تہیہ کیے بیٹھی تھی، وہ اس سب کے اختتام پہ ھیلر کو سب بتادیں گیں۔

اپنی سوچوں کو جھٹکتے وہ تیزی سے مس ایل کو کراس کرکے ان بسز کے سامنے آیا، وہ بھی دیوانہ وار اس طرف لپکی دونوں کو اپنے اپنے پیاروں سے ملنے کی جلدی تھی، یہ جانے بغیر کے آج دونوں میں سے ایک کا دل روندھ دیا جائے گا۔

پورے تین گھنٹے میں ان دونوں نے وہ تمام بسز خالی کر ڈالیں تھیں، بلاخر وہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہوئے تھے، ہزاروں کی تعداد میں لڑکیاں برآمد ہوئیں تھیں، انہوں نے ایک ایک لڑکی کی شکل دیکھ ڈالی ایک ایک لڑکی کو باہر نکالا، وہ دونوں انکے لیے فرشتہ ثابت ہوئے تھے، ان سب کو باہر نکالنے کے بعد دونوں کے چہروں پہ اضطرابیت تھی۔

اسنے سب کو دیکھا تھا، لیکن اسے انوش کہی نہیں دکھائی دی، کہی نہیں ،اسکا دل بیٹھ رہا تھا، یااللہ کیا وہ پھر سے لیٹ ہوگیا تھا ؟ن۔نہیں نہیں آج نہیں اللہ، میرا اور امتحان نہ لیں وہ وہی سر تھام کے رہ گیا تھا۔

مس ایل اس پر پھر سے وہی کیفیت طاری ہوتے دیکھ رہی تھیں۔

(باقی لڑکیوں کو ان دونوں نے پولیس کسٹڈی میں دینے کا فیصلہ کیا تھا، انہیں خفاظت سے ایک سیو ہاؤس میں پہنچا کر۔وہ پولیس کو کال کر چکے تھے، وہ سہمی سہمی نازک اور بے حال سی لڑکیان تشکر سے ان دونوں کو دیکھتی رہی تھی)۔یہ سب کرتے انہیں مزید دو گھنٹے لگ چکے تھے۔

ھیلر ھیلر۔۔۔اسکے دونوں ہاتھ تھام کے وہ شکستہ دل لیے بولی۔

"مس ایل مجھے آج پھر سے دیر ہوگئ؟ میری بہن تو یہاں کہی بھی نہیں ہے"۔شکستہ دل۔

"تمہاری بہن بلکل ٹھیک ہے ھیلر ، وہ بہت محفوظ ہاتھوں ہے، مجھے تمہیں کچھ بتانا تھا"۔اسنے اپنی آنکھیں مس ایل کی جانب اٹھائیں۔

اس بار بے یقینی نہیں ایک امید تھی، کہ مس ایل اسکی بہن کا ٹھکانہ جانتی ہیں۔

"اگر اس دن تم میری سن لیتے ھیلر تو میں تمہیں وہی بتانے والی تھی، میں نہیں جانتی کیسے لیکن چند سال پہلے تمہاری بہن یہاں سے نکلنے میں کامیاب ہوگئ تھی، میری طرف ان نظروں سے نہ دیکھو".اسکی آنکھوں میں اپنے لیے بے یقینی دیکھتے وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی، دل اپنی بیٹی کے لیے خوفزدہ تھا، لیکن انہیں وہ سامنے موجود لڑکا بھی بہت عزیز تھا، اسکی اداسی انکا دل چیر رہی تھی۔

"میں پہلے نہیں جانتی تھی، مجھے کچھ عرصہ ہوا یہ جانتے ہوئے کہ تمہاری بہن اس وقت لاہور کے سب سے مشہور بسنز ٹائیکون مصطفی انڈسٹیرز کے اونر ابان مصطفی کی بیوی ہے"۔

وہ ایک جھٹکے سے دور ہوا۔

"بیوی؟" بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

اسکی گڑیا کی شادی ہوگئ تھی؟ اسکی گڑیا نے شادی کرلی تھی؟ کیا کچھ نہیں تھا اسکی آنکھوں میں۔

آ آپ سچ کہہ رہی ہیں ؟ پہلی بار ھیلر کی آواز لڑکھڑائی تھی۔

"ہاں"۔انہوں نے اثبات میں سرہلایا۔

"ھیلر " وہ رو رہی تھیں انکی آنکھوں سے آنسوؤں ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔

وہ اب تک بے یقین تھا، بے یقینی کی انتہا تھی، وہ جو اتنے سالوں سے ایک رات چین کی نیند نہیں سوسکا، جسکی زبان ، جسکا دل، جس کی آنکھیں ، جس کی روح ، ہمہ وقت اپنی بہن کے لیے تڑپتی تھی، اسکے لیے اس حقیقت پر یقین کرنا بہت مشکل تھا، اسکی آنکھیں ضبط سے سرخ ہورہی تھیں، وہ ساکت تھا، اتنا شل کے اسے مس ایل کی سسکیاں بھی سنائی نہیں دے رہی تھیں، وہ رو رہی تھیں؟ وہ انکا درد بھی تو دیکھیں؟ کیا انکی تلاش پوری ہوئی ؟ انکے پاس تو امید کی ہلکی سی بھی کرن نہیں تھی ۔

اپنے شل اعصاب پر قابو پاتے ، اسنے بلکتی ہوئی مس ایل کی جانب دیکھا، جو شاید اب وہی ان بسز کے قریب روڈ پر ڈھ چکی تھیں، انہیں بے سدھ دیکھتے وہ تیزی سے انکی جانب آیا۔
"مس ایل ؟ مس ایل؟ اٹھیں آنکھیں کھولیں"۔پریشانی سے انہیں دونوں کندھوں سے جھنجھورتے ہوئے وہ انہیں پکارنے لگا۔

"خدارا مس ایل آنکھیں کھولیں"۔انکے چہرے سے ماسک اتارتے وہ اب انکے گال سہلا رہا تھا، کبھی انکے سرد پڑھتے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کے دباتا تو کبھی انکے گال تھپتھاتا وہ لڑکا آج کہی سے ھیلر نہیں لگ رہا تھا، وہ جو کسی بہت اپنے کو کھونے کا ڈر جو کہی دھب کے رہ گیا تھا، پھر سے عود آیا تھا۔

پریشانی اسکے انگ انگ سے عیاں تھی، تقریباً پندرہ منٹ تک وہ انہیں ہوش میں لانے کی کوشش کرتا رہا ، دیوانہ وار انکا نام پکارتا رہا، لیکن وہ تھی کے آنکھیں کھول ہی نہیں رہی تھیں۔

"open your eyes damn it , miss L open your eyes"

اب کے وہ انہیں دونوں کندھوں سے تھام کے چلا کے بولا۔

پٹ سے انکی آنکھیں کھلی، معاوف ہوتے زہن اور دھندلاتی آنکھوں سے انھوں نے اپنے اوپر پریشانی سے جھکے ھیلر کو دیکھا، جب ذہن نے کام کرنا شروع کیا تو انہیں اسکی آواز سنائی دینے لگی۔

"اٹھ کے بیٹھیں آپ ٹھیک ہیں؟"نرمی سے انہیں سہارا دے کے بٹھایا۔

انکے سرد ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیے وہ نرمی سے سہلا رہا تھا۔

انکی آنکھوں میں آنسوؤں کا گولہ پھر سے جمع ہونے لگے۔

"میری بیٹی، ھیلر میری بیٹی وہ نہیں ملی مجھے ، وہ اپنی ماں سے روٹھ گئ ہے، میں جب اسکی جانب امید سے قدم بڑھاتی ہوں وہ اپنی ماں کو دھوکہ دے کے چھلاوے کی طرح غائب ہوجاتی ہے، وہ مجھ سے ناراض ہے ،وہ یقیناً مجھ سے ناراض ہے"۔یہ کسی ہیکنگ کوئین کے الفاظ نہیں تھے ، بلکہ یہ تو ایک ٹوٹی بکھری ہوئی ماں کے الفاظ تھے، جس کے جگر کا گوشہ اس سے چھین لیا گیا تھا۔

" Calm down my old lady"

نرمی سے انہیں کہتے ، اپنے دونوں ہاتھوں سے انکے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

"مہر مل جائے گی مس ایل ، آپکی تلاش آج پوری ہوجائے گی، میں آج ہر حال میں آپکی تلاش پوری کرکے چھوڑوں گا، مجھ پہ بھروسہ کریں گیں؟" ایک ماں کو امید کی چھوٹی سی کرن تھما گیا تھا وہ۔

"میں چاہتی ہوں اسے تم مجھ تک لے کہ آوں اس بار میں اسے لینے نہیں جاؤں گی ، میں جب جاتی ہوں وہ منظر سے غائب ہوجاتی ہے، اسے تم تم لاو گے، لاو گے ناں؟" امید اور خوف لیے اسکی طرف اٹھتی آنکھیں۔

"لاوں گا مس ایل ضرور لاؤں گا"۔ذہن میں ایک لائحہ عمل تیار کرتے وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

انہوں نے بھیگی آنکھیں اسکی طرف اٹھائی۔

"شش بس ، روتے ہوئے اور بوڑھی لگتی ہیں ، چھ ساتھ جھڑیوں کا مزید اضافہ ہوجاتا ہے، مہربانی کیجیے گا کبھی بپلک میں مت روئیں گا، ہر کسی کا ضبط میرے جتنا نہیں ہوتا"۔اپنے ازلی جون میں لوٹتا وہ انہیں مسکرانے پر مجبور کرگیا۔

حیرت انگیز طور پہ دوسری جانب سے جوابی کاروائی نہیں کی گئ تھی۔

"چلیں؟"۔وہ کھڑے ہوتے انکی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔

"کہاں ؟ "
"آپکی بیٹی کا پتہ معلوم کرنے"۔
"اسے تم لاوگے ھیلر"۔
"لاوں گا میں ہی ، لیکن میرے ساتھ کسی کو بلیک میل کرنے تو چل سکتی ہیں ناں؟"
"لیکن کہاں؟"
"شرجیل"۔

"ایک بار پھر سے؟"

"جی پھر سے، اس سے پرانا ملازم دلاور کا اور کوئی نہیں ہے وہ ضرور کچھ نہ کچھ تو جانتا ہوگا، آپکے پاس مہر کی کوئی تصویر ہوگی؟"

"تف ہے تم پے ھیلر ، ظاہر ہے ہوگی ، کیا ایک ماں کے پاس اپنی بیٹی کی تصویر نہیں ہوگی؟" خفگی سے اٹھتے ہوئے بولیں.

"میں تو بس آپکا ذہین دماغ چیک کر رہا تھا، حاضر ہے بھی یا نہیں"۔

بے نیازی سے کندھے جھٹکتا وہ چل پڑا۔

"احمق"۔اپنے پسندیدہ لقب سے اسے نوازتی وہ اسکے پیچھے چلنے لگی۔

"ایسا ہی تھا وہ ، خود کے زخموں کی پرواہ کیے بغیر دوسروں کے زخموں پر مرہم رکھنے والا ، یہی چیز تو اسے ھیلر بناتی تھی"۔

وہ خود بھی زخمی تھا، لیکن اسے اپنی پرواہ کہاں تھی، اسے تو مس ایل کے زخم نظر آرہے تھے۔

"زخم صرف جسمانی نہیں ہوتے کچھ زخم روح کے بھی ہوتے ہیں ،روح پہ لگے زخموں کی تکلیف جسمانی تکلیف سے کئی گناہ زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے، ایسے زخم آپکو ذہنی اور جسمانی طور پہ تھکا دیتے ہیں، اندر سے کھوکھلا کردیتے ہیں"۔

****

اب وہ دونوں نیم اندھیر کمرے میں کھڑے تھے ، پچھلے کچھ منٹوں میں وہ یہاں کا سارا نقشہ بدل چکے تھے، پچھلی بار جب وہ دونوں یہاں آئے تھے ، خاصی تمیز کا مظاہرہ کیا گیا تھا انکی جانب سے، اب شاید وہ کسی قسم کی کوئی رعایت دینے کے موڈ میں نہیں تھے۔

کمرے میں نیم اندھیرا تھا، زیرو کا بلب روشن تھا، جیسے کسی ٹارچر سیل کا منظر ہو، سامنے ہی کرسی پر شرجیل کو رسیوں سے باندھ کے بٹھایا گیا تھا، اسکی پشت پے مس ایل کھڑی تھیں، جبکہ اسکے سامنے اپنے ہاتھ میں کٹر تھامے وہ کھڑا تھا، آنکھوں میں سرد تاثر لیے ، بے رحمی سے اسکی جانب دیکھتے ہوئے۔

"میں کچھ سوال پوچھوں گا، اور خبردار خبردار جو مجھ سے چلاکی کرنے کی کوشش کی آج میں کسی قیمت پر کوئی رعایت نہیں دینے والا، سو بہتر ہے میرے سوالوں کا سیدھے طریقے سے جواب دو"۔ ورنہ۔!!!ہاتھ میں پکڑا ہوا کٹر کھولا، اور اسکے ہاتھوں کو زبردستی تھامے ، اسکی ایک انگلی پے رکھا۔

"جتنی غلطیاں کرو گے اتنی انگلیاں کاٹ دوں گا سمجھ گئے؟"۔اسکی آنکھوں میں سرد مہری دیکھتے دو پل کو تو مس ایل نے بھی جھرجھری لی۔

شرجیل کے پورے جسم میں خوف کی ایک لہر دوڑی ، اپنے اوپر جھکے کھڑے شخص کی صرف آنکھیں دکھائی دیتی تھیں، اور ان آنکھوں میں بھی ایک عجیب سی سرد مہری تھی، خون منجمد کر دینے والی۔

اسنے بدقت اثبات میں سرہلایا۔

مس ایل نے بے اختیار جھرجھری لی، وہ فوراً سے پہلے کمرے سے کھسکیں ، وہ یہ سب نہیں دیکھ سکتی تھیں۔

"س لڑکی کو جانتے ہو؟" فون پہ ایک خوبصورت سی گول چہرے والی لڑکی کی تصویر نکال کے اسکے سامنے کی، جس کے نین نقوش کافی حد تک مس ایل سے ملتے تھے، وہ سبز آنکھوں والی کوئی معصوم سی گڑیا معلوم ہوتی تھی۔

پیاری سی مہر۔

شرجیل نے پوری آنکھیں کھول کے فون کی جانب دیکھا، گویا اسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔

پھر اطمینان سے پیچھے ہوتے نفی میں سرہلایا، دلاور سے وفاداری کا خیال بہت برے وقت پہ عود آیا تھا۔

ھیلر نے اسکے جواب پر نا آو دیکھا نا تاؤ۔اسکے دونوں ہاتھوں کو پکڑ کے زور سے چٹخا، کئ ساتھ کئ ہڈیاں ٹوٹنے کی آواز اس نیم اندھیر کمرے میں گونجی تھی۔

ساتھ ہی اسکی دل دہلادینے والی چیخیں بھی۔

باہر کھڑی مس ایل نے بے اختیار اپنے کانوں پر ہاتھ رکھے اور اس روم سے کافی دور جا کھڑی ہوئیں۔

"ہاں تو میں کہاں تھا؟ تم اس لڑکی کو جانتے ہو یا نہیں؟" اس بار سوال پر کافی زور دیا گیا تھا۔

"جان۔۔جانتا ہوں"۔وہ فوراً بولا۔

"ہمم گڈ ، اب بتاو یہ لڑکی کہاں ہے؟" سرخ آنکھیں اسکی آنکھوں میں گاڑھتے ہوئے بولا، گویا آنکھوں ہی آنکھوں میں جھوٹ نا بولنے کی تنبیہ کی ہو۔

"یہ لڑکی چند سال پہلے اغوا کئ گئ تھی"۔

"جانتا ہو آگے ؟" اکتا کر بات کاٹی۔

"وہ مر گئ ہے" الفاظ تھے یا پگھلتا سیسہ جو کسی نے اسکے کانوں میں انڈھیل دیا تھا۔

"غور سے دیکھو یہی لڑکی تھی؟"وہ سختی سے بولا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں یہی لڑکی تھی ،آج سے کچھ سال پہلے یہ مر گئ تھی، میں نہیں جانتا کیسے لیکن سر نے انہیں کہاں دفنایا کیا کیا مجھے اور کچھ نہیں معلوم"۔وہ خوف سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

ھیلر کو لگا اسے سانس لینے میں مشکل ہورہی ہے، اسکا دم گھٹنے لگا، بے اختیار اسنے دروازے کی جانب دیکھا، وہ بند تھا، کیسے بتائے گا وہ؟ کیا وہ سننے کی ہمت رکھتیں ہیں؟ اسکے دل میں ٹیس سی اٹھ رہی تھی، چہرے پر دکھ کے اثار رقم تھے، دل میں دلاور کے لیے نفرت اور انتقام کی آگ مزید بلند ہوگئ، اسنے طیش میں آگے آکے ایک زوردار وار مقابل کے منہ پہ کیا اور دھڑام سے دروازہ کھولتے وہ کمرے سے باہر آیا۔

کمرے سے باہر آکے اسنے چند منٹ گہرے گہرے سانس لیے، خود کو کمپوز کرتے اسنے اپنے سامنے کھڑی مس ایل کو دیکھا۔

جو تندہی سے اسے گھورنے میں مصروف تھیں۔

"اسے ٹارچر کرنے گئے تھے یا خود ہونے گئے تھے؟" اسکی حالت دیکھتے ہوئے وہ گھور کے بولیں۔

وہ خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا۔

"لگتا ہے کچھ معلوم نہیں ہوسکا"۔مایوسی سے کہتی وہ خود سے سوال جواب کرنے لگی۔

وہ پھر بھی خاموش رہا۔

"کوئی بات نہیں ہم پتا لگالیں گے، تم دل چھوٹا مت کرو" شاید خود کو تسلی دی گئ تھی۔

خاموشی ہنوز برقرار تھی، اسکی آنکھیں سرخ انگارہ ہورہی تھیں۔

اسنے آگے بڑھ کے خاموشی سے مس ایل کو گلے لگایا۔

وہ جو آگے کچھ بولنے لگی تھیں یکدم خاموش ہوگئیں۔کئ آنسو انکی آنکھوں سے نکل کر بے مول ہوئے۔

"پتہ نہیں کب مجھے اسکی خیریت کی اطلاح ملے گی، میں اب تھکنے لگی ہوں ھیلر"۔وہ اسکے ساتھ لگی بھرائی ہوئی آواز میں بولیں۔

"اسکا پتہ معلوم ہوگیا ہے مس ایل، وہ بہت اچھی جگہ پہ ہے "انسے الگ ہوتے وہ نظریں چراتے ہوئے بولا۔

"ک۔کہاں ہے وہ؟" بے چینی سے اسکی طرف آنکھیں اٹھا کے پوچھا گیا۔

"جنت میں۔"یہ دو الفاظ کہنا اسکے لیے کس قدر کھٹن تھے ، وہ بیاں بھی نہیں کرسکا۔
انہوں نے اندھیر ہوتی آنکھوں سے اسکی جانب دیکھنے کی کوشش کی، دل دھڑکنا تک بھول گیا تھا۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جاری ہے